بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا

قرآنی حقائق و معارف بیان کرنے والا ماہنامہ

الفرقان

قرآن نمبر

جلد ۳ نمبر ۱۲ — ماہ دسمبر ۱۹۵۳ء

یہ رسالہ ہر ماہ کی بیس تاریخ کو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ: پانچ روپے

قرآن نمبر کی قیمت ایک روپیہ

مقامِ اشاعت
احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ
پاکستان

ایڈیٹر:
ابوالعطاء جالندھری

ہمارا چاند

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے قلم سے

جمال و حسن قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا ۔ بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں ۔ نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے
کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز ۔ اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے
خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو ۔ وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے
ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی ۔ سخن میں اسکے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے
بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز ۔ تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے
ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا ۔ زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے
خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے ۔ خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے
اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا ۔ تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے
یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے ۔ خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اُس پہ قرباں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

الفرقان

(قرآن نمبر)

فہرست مضامین

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر۔ ربوہ سے شائع کیا)

قرآن کریم کی ترتیبِ نزول اور ترتیبِ تحریر میں فرق کی حکمت

تحریر فرمودہ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلا سلسلہ سورتوں کا مدنی ہے۔ ان میں سے صرف دو مکی ہیں یعنی سورۃ انعام اور سورۃ اعراف لیکن یہ سورتیں ہجرت کے بالکل قریب نازل ہوئی ہیں اور اس وجہ سے مدنی سورتوں کی طرح ہی سمجھنی چاہئیں۔ سورۃ یونس اور اس کے ساتھ کی سورتیں سب کی سب مکی ہیں اور ان میں سے بعض وسطی زمانہ کی اور بعض ہجرت کے قریب کی ہیں پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ان مدنی سورتوں کو پہلے کیوں رکھا گیا ہے۔ اور مکی سورتوں کو بعد میں کیوں رکھا گیا ہے۔ اگر پہلی سورتوں کو مضمون کے لحاظ سے پہلے ہی پڑھنا مناسب تھا تو کیوں خدا تعالیٰ نے ان کو پہلے نازل نہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک کام حکمت سے پُر ہوتا ہے۔ چونکہ نبی کے پہلے مخاطبوں اور بعد میں آنے والوں کی ضرورتوں میں فرق ہوتا ہے اسلئے قرآن کریم کے نزول کی ترتیب اور تحریر کی ترتیب میں فرق رکھا گیا ہے۔ نزول کی ترتیب ان لوگوں کے حالات کو مدنظر رکھ کر ہے جو قرآن کریم کے پہلے مخاطب تھے اور جمع کی ترتیب ان لوگوں کو مدنظر رکھ کر ہے جو بعد میں آنے والے تھے اب یہ امر ظاہر ہے کہ جب کوئی تشریعی نبی دعویٰ کرے گا تو اس وقت اس کی تعلیم یا اس کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا زیر بحث نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو شروع میں تعلیم مکمل صورت میں لوگوں کے سامنے ہوگی نہ ابھی پیشگوئیوں کے پُورا ہونے کا وقت آیا ہوگا پس شروع زمانہ میں لوگ ان امور پر بحث نہیں کریں گے بلکہ (۱) سب سے پہلے اسکے ساتھ بحث اس امر پر ہوگی کہ وہ کیسا خدا ہے جس کی طرف سے ہونیکا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ اسکی کیا صفات ہیں۔ اسکی کیا طاقتیں ہیں۔ کیا الہام کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ انسان کو الہام کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس قسم کے اور سوالات ہوں گے جن کی طرف لوگ توجہ کریں گے۔ پس کلام الٰہی لازماً انہی امور پر مشتمل ہوگا جن کی طرف اس زمانہ کے لوگوں نے توجہ کرنی ہے۔ اور نیز پیشگوئیوں پر جو آئندہ اسکے صدقِ دعویٰ پر دلیل ہوں۔ اسی طرح شریعت کے بعض ابتدائی مسائل بتائے جائینگے (۲) دوسرا زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ اسکے دعویٰ کی حقیقت کو سمجھ کر اس کی مخالفت پر آمادہ ہونگے

اور اس کی آمد کو عبث قرار دیں گے۔ اور اس کے عقائد جو وہ خدا تعالیٰ کے متعلق یا ایک مذہبی نظام کے متعلق بیان کرتا ہو اُسے رد کریں گے۔ اور کچھ لوگ مان بھی لیں گے۔ اس وقت اس امر کی ضرورت ہوگی کہ اس کی آمد کی غرض کو بتایا جائے اور پہلی تاریخ کی شہادت سے اسکے دعویٰ کو سُنّۃ اللہ کے مطابق بتایا جائے اور عام عقلی دلائل اسکے دعویٰ کی تائید میں بتائے جائیں اور پہلے انبیاء کے حالات سے سبق لینے کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی جائے اور شریعت کی بعض تفصیلات بتائی جائیں۔ اور ماننے والوں کو ان کے فرائض سے اور کامیابی کیلئے جدّوجہد کے اصول سے آگاہ کیا جائے۔

(۳) پھر اس کے بعد تیسرا زمانہ وہ ہوگا کہ اس میں شریعت مکمل کر کے اس کو بطور حجت کے پیش کیا جائے۔ اور جو پیشگوئیاں پُوری ہو چکی ہوں ان کو پیش کر کے مخالفین کو قائل کیا جائے۔ غرض خود اس نبی کے اپنے کام پیش کر کے بتایا جائے کہ یہ سچا ہے جھوٹا نہیں۔ اور جو کام کر چکا ہے وہی اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ اسے ماننے میں دُنیا کی بہتری ہے۔

لیکن پہلے زمانہ کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ مذہب سے ایسے ناواقف نہ ہوں گے جیسے کہ پہلے زمانہ کے لوگ۔ ان کے سامنے ایک قائم شدہ جماعت ہوگی جس کے دعویٰ سے ایک حد تک وہ واقف ہوں گے۔ ان کے سامنے سب سے پہلا سوال یہی ہوگا کہ اس مدعی کے دعویٰ کو کیوں تسلیم کیا جائے۔ اس کی تعلیم دوسری تعلیموں کے مقابلہ پہ کیوں قابلِ قبول ہے اور اس کے کیا کام ہیں؟ جب ان امور کو سمجھ کر کوئی شخص مذہب کی حقانیت کو سمجھ جائے گا تو دوسرے نمبر پہ علم کی زیادتی کیلئے اسے یہ ضرورت ہوگی کہ منہاجِ نبوت کی بناء پر اصولی رنگ میں بھی وہ صداقت کو سمجھ لے۔ اور اس کے بعد پھر دوسرے امور کی طرف اس کی توجہ پھرے گی۔

پس اس طبعی تقاضا کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کے نزول کی ترتیب اَور ہے۔ اور اس کے جمع کی ترتیب اَور۔ نزول کی ترتیب پہلے زمانہ کے لوگوں کی ضرورت کو مدِنظر رکھ کر ہے۔ اور جمع کی ترتیب بعد میں آنے والوں کی ضرورت کو مدِنظر رکھ کر ہے۔ اور یہ بات خود ایک ایسی بیّن فضیلت ہے جو صاحبِ بصیرت کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے +

(ک)

مضامینِ قرآن!

رقم فرمودہ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

محترمی مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ مَیں رسالہ الفرقان کے لئے ایک چھوٹا سا نوٹ "مضامینِ قرآن" کے عنوان کے ماتحت لکھ کر بھجواؤں۔ اس سے چند دن قبل انہوں نے لکھا تھا کہ "ترتیب فی القرآن" کے موضوع پر کچھ لکھوں لیکن اب وہ مؤخر الذکر مضمون کو ترجیح دیتے ہیں۔ میرے لئے یہ مشکل ہے کہ ایک طرف تو یہ دونو مضمون گویا بحرِ بیکراں کا رنگ رکھتے ہیں اور دوسری طرف آجکل جلسہ سالانہ کے قرب اور قافلہ قادیان کے ہنگامی کام کی وجہ سے فرصت بہت ہی کم ہے اور پھر مجھے نقرس کے عارضہ کی وجہ سے (عارضہ ہی کہنا چاہیئے گو وہ اب تو ایک مستقل مرض بن گیا ہے) سخت اعصابی تکلیف رہتی ہے اور طبیعت میں یکسوئی نہیں پیدا ہوتی اسلئے کسی لمبے مضمون کا لکھنا محال ہے تاہم ثواب کی خاطر مؤخر الذکر مضمون کے متعلق ذیل کی چند سطور رسالہ الفرقان کے ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتا ہوں۔ یہ نوٹ صرف ایک بیج کے رنگ میں ہے جسے ناظرین کرام اپنی اپنی استعداد کے مطابق ترقی دیکر درخت کی شکل دے سکتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی نوعیت اور وسعت کو سمجھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض وغایت اور آپؐ کے مقام کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ پس جو غرض وغایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ہے

وہی لازماً قرآن کے نزول کی ہے اور تمام قرآنی مضامین اسی غرض و غایت اور اسی مقصد و منتہاء کے اردگرد گھومتے ہیں۔

اب جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے لئے سورۃ بقرہ کی یہ آیت کلیدی حیثیت میں ظاہر ہوتی ہے کہ:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۰)

"یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہماری اس نسل میں (جو مکہ کی غیر ذی زرع وادی اور عرب کے لق و دق صحرا میں آباد کی جارہی ہے) اپنا ایک رسول مبعوث فرما جو انکو تیری آیات سنائے اور انہیں احکام شریعت اور ان کی حکمت سکھائے اور انہیں پاک کر کے تیرے حضور میں بلند کرے۔ یقیناً تو بہت غالب آقا اور تمام حکمتوں کا منبع ہے۔"

یہ وہ عظیم الشان دعا ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھتے ہوئے خدا کے حضور کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "انا دعوۃ ابراھیم" "یعنی میں ابراہیم کی اس دعا کا ثمرہ ہوں۔" پس یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت یہی ہے جو اس دعا میں بیان کی گئی ہے جو ذیل کے چار ستونوں پر قائم ہے:۔

(اول) آیات اللہ کا مظہر ہونا یعنی ایسے نشانات اور ایسے معجزات کے ظہور کا منبع ہونا جو خدا کی طرف رہنمائی کرنیوالے اور اسکے قریب لانے والے ہوں۔

(دوم) احکام شریعت کا نزول جو انفرادی اور قومی اصلاح کی بنیاد ہیں۔

(سوم) حکمت یعنی احکامِ شریعت کا فلسفہ اور ان کے دلائل وغیرہ بیان کرنا جس کے بغیر دین میں بصیرت حاصل ہونا محال ہے
(چہارم) تزکیہ نفوس یعنی نفوس کو پاک و صاف کر کے مومنوں کو ہر جہت سے ترقی کی منازل کی طرف لے جانا۔

یہ وہ چار عظیم الشان اغراض ہیں جو اس دعا میں بیان کی گئی ہیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت انہی چار ستونوں پر قائم ہے اور لازماً یہی وہ مربّع بندی ہے جسکے اردگرد تمام قرآنی مضامین گھومتے ہیں۔ بیشک قرآن مجید میں ہزاروں مضامین کا دریا بہہ رہا ہے اور ہر دریا سے ہزاروں نہریں پھوٹتی ہیں مگر ان دریاؤں اور نہروں کا منبع انہی چار چشموں کے پانی کا مرہون منّت ہے اور اگر ضمناً گہری نظر سے دیکھا جائے تو قرآنی آیات کا نزول بھی بحیثیت مجموعی اسی ترتیب کا حامل ہے جو اس آیت میں رکھی گئی ہے۔ یعنی اوّل نمبر پر آیات ہیں۔ اسکے بعد دوم اور سوم نمبر پر احکامِ شرعی اور انکی حکمت ہے جو گویا ایک دوسرے کے توام بھائی ہیں اور بالآخر چہارم نمبر پر تزکیہ کا سامان ہے۔ اور گو موجودہ قرآنی ترتیب کو ایک خاص حکمت کے ماتحت نزول کی ترتیب سے بدل دیا گیا ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لیکن غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ نزول کی ترتیب اسی آیت کی ترتیب کے اصول پر قائم ہے جو اوپر درج کی گئی ہے۔

باقی رہا قرآنی احکام کی زمانی وسعت کا سوال سو گو یہ ایک جداگانہ سوال ہے مگر چونکہ اس سوال کا جواب قرآنی مضامین کی وسعت پر گہرا اثر رکھتا ہے اسلئے اسجگہ اسقدر بیان کر دینے میں حرج نہیں کہ قرآنی شریعت دراصل ابدی ہی نہیں بلکہ ازلی بھی ہے۔ ابدی ہونا تو اس کا ظاہر ہے یعنی یہ کہ قرآنی شریعت قیامت تک کے لئے نازل ہوئی ہے جیساکہ قرآن خود فرماتا ہے:-

لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ؕ (سورۃ انعام آیت ۲۰)

"یعنی قرآنی خطاب میں کوئی قومی یا زمانی حدبندی نہیں بلکہ جسے اسکا پیغام پہنچے اور جب پہنچے وہی اسکا مخاطب ہے۔"
اور یہی وہ مضمون ہے جو ایک نہایت لطیف رنگ میں قرآنی آیت خاتم النبیّٖن میں بیان کیا گیا ہے جس سے یہ مراد ہے کہ پہلی تمام تاریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود میں آکر ختم ہو گئیں اور آئندہ ہر تار آپکے بابرکت وجود میں سے نکلیگی کیونکہ آپ سلسلہ رسالت کا مرکزی نقطہ ہیں۔ اور ضمناً اسمیں یہ اشارہ بھی ہے کہ قرآنی شریعت ازلی بھی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن ایک منفرد اور جُداگانہ حیثیت میں نازل نہیں ہوا بلکہ اسمیں خدائی شریعت کا کمال اور معراج مقصود ہے اور وہ یہ کہ ابتدا میں مختلف قوموں اور زمانوں کی محدود ضرورت کے مطابق خدائی شریعت کا نزول شروع ہوا اور پھر آہستہ آہستہ خدائی شریعت قرآن میں آکر اپنے معراج کو پہنچ گئی۔ یہی وہ نکتہ ہے جسکی طرف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لطیف حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ کنتُ نبیًّا وآدم منجدل بین الماء والطین "یعنی میں اُسوقت سے نبی ہوں جبکہ ابھی آدم گویا اپنی خلقت کے مراحل میں سے گذرتا ہوا پانی اور مٹی میں لت پت تھا۔

خلاصہ یہ کہ اوّلاً قرآنی مضامین ان چار ستونوں پر قائم ہیں جو آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا میں بیان کئے گئے ہیں اور پھر ثانیاً یہ کہ یہ مضامین اس مقصد کے ماتحت نازل کئے گئے ہیں کہ وہ ہر قسم کی زمانی اور مکانی اور قومی حدود سے آزاد ہو کر تمام قوموں اور تمام زمانوں اور تمام ملکوں کی ہدایت کا سامان مہیا کریں اور یقیناً جو شخص ان دو اصولوں کو مدّ نظر رکھ کر پاک نیت کیساتھ قرآن کا مطالعہ کریگا وہ کبھی بھی اسکی صحیح تفسیر کے رستہ سے بھٹک نہیں سکتا اور اسکے لئے ہر قرآنی آیت اور ہر قرآنی سورۃ گویا ایک نور کا مینار بنکر دائمی اور عالمگیر روشنی مہیا کریگی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد۔ ربوہ ۱۷/۱۲/۵۲

قرآنی معاشرہ
(یا)
اسلامی سوسائٹی!

قرآنی دعوت پر عمل کا ثمرہ

قرآن مجید ایک زندہ کتاب ہے۔ اس میں غیر معمولی قوتِ تخلیق موجود ہے۔ جب قرآن مجید کا نزول ہوا اس وقت سرزمینِ عرب ہر قسم کے فساد کی آماجگاہ تھی۔ تمام اخلاقی خرابیاں وہاں پر موجود تھیں اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ اس وقت کی پسماندہ ترین قوم یعنی عربوں میں اس کا ظہور ہوا۔ چند ہی سالوں میں قرآن مجید کی قوتِ قدسیہ کی تاثیرات کا یہ نتیجہ تھا کہ عرب نہ صرف ایک ممتاز قوم تھے بلکہ دنیا بھر کی قوموں کے ہادی اور رہنما تھے۔ اس حقیقت کا تمام دوستوں اور دشمنوں کو اعتراف ہے۔

قرآن مجید جس معاشرہ یا سوسائٹی کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس نے تفصیلی احکام دیئے اور اس معاشرہ کی بنیادیں نہایت محکم طور پر استوار کی ہیں۔

قرآن مجید کی دعوت پر عمل پیرا ہونے سے یہ زمین جنت بن سکتی ہے اور اس پر بسنے والے انسان فرشتے بن سکتے ہیں بلکہ فرشتوں سے بھی افضل قرار پا سکتے ہیں۔ گویا یہ دنیا ایک ارضی بہشت کا نظارہ پیش کر سکتی ہے۔ انسان پورے سکون، پوری دلجمعی اور پورے اطمینان سے زندگی بسر کریں گے۔ کسی کو کسی سے کسی گزند و نقصان کا خطرہ نہ ہوگا اور ہر شخص بنی نوع انسان کی محبت و ہمدردی سے لبریز دل کے ساتھ سامنے کام بجا لا رہا ہوگا۔ سچ ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نباشد

قرآن مجید کا نصب العین

قرآن مجید نے اپنا نصب العین یہ قرار دیا ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانے والے منعم علیہم بن جائیں۔ وہ دینی اور دنیوی طور پر انعام یافتہ قوم ہوں۔ ان کو دنیوی طور پر حکمرانی تک نصیب ہو اور دینی طور پر ان میں نبوت پائی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ جماعتی انعامات پانے کے لئے اعلیٰ درجہ کے اخلاق، نہایت مضبوط کردار اور بلند روحانیت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید انہی خطوط پر اپنے معاشرہ کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ وہ ہر مسلمان کا نقطۂ نگاہ عام اور معمولی کامیابی قرار نہیں دیتا بلکہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا سکھا کر اسے توجہ دلاتا ہے کہ وہ اپنا مطمحِ نظر اعلیٰ درجہ کی کامیابی ٹھہرائیں اور انعام پانے کا اپنے آپ اہل ثابت کریں۔

قارئین اس جگہ ایک لمحہ کے لئے سوچیں کہ قرآن مجید کے اس ارفع نصب العین کے مقابلہ میں ہندو دھرم اور عیسائیت نے کتنا پست خیال اپنے پیروؤں میں پیدا

کیا ہے۔ ہندو دھرم تناسخ کے عقیدہ کے مطابق ہر انسان کو پیدائشی گناہ گار ٹھہرا کر عمر بھر کے لئے پُرانے بندھنوں سے مخلصی حاصل کرنے کو ہی بڑا کارنامہ قرار دیتا ہے۔ عیسائیت آدم علیہ السلام کے مزعومہ گناہ کے نتیجہ میں تمام آدم زادوں کو گناہ گار بتلاتی ہے، اس کے نزدیک انسان کا بڑا کمال یہی ہے کہ وہ پچھلے گناہ کی سزا سے بچ جائے۔ قرآن مجید نے مومن کو انعام یافتہ بننے کی ترغیب دیکر سرفرازی اور بلند نظری عطا فرمائی ہے۔

قرآنی معاشرہ کے خصائص
یعنی
از روئے قرآن مجید مومنوں کی صفات

اللہ تعالیٰ جس قسم کے مومن بنانا چاہتا ہے اُن کی صفات کا ذکر اس نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ (۱) سورۃ الاحزاب میں فرماتا ہے:۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ
الْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَ
الصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَ
الصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَ
الْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَ
الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَ
الْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَ
الْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ
كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ
لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

(الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ:۔ قانونِ خداوندی کی اطاعت کرنیوالے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں، دلی خوشی سے احکام بجالانے والے مرد اور احکام بجالانے والی عورتیں، قربانیوں میں صدق و وفا دکھانے والے مرد اور صدق و وفا دکھانے والی عورتیں، مصائب پر صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں، خدا کے جلال پر گداز ہونے والے دلوں والے مرد اور ایسے دلوں والی عورتیں، اپنے اموال کو بنی نوع کی ہمدردی میں خرچ کرنے والے مرد اور خرچ کرنیوالی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، پاک دامن مرد اور پاک دامن عورتیں، ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والے مرد اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والی عورتیں ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔"

(۲) سورۂ آل عمران میں فرمایا:۔

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَ
الْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَ
الْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝

(آل عمران: ۱۷)

ترجمہ:۔ وہ صبر کرنے والے، سچائی اختیار کرنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، اپنے مال خرچ کرنے والے، اور سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور طلبِ مغفرت کرنے والے ہیں۔"

(۳) اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا:۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَ

وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۴)

ترجمہ:- وہ لوگ عُسر و یُسر میں مال خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی جانے والے ہیں، لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیکوکار لوگوں سے پیار کرتا ہے۔"

(۴) سورۃ القصص میں فرمایا:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص: ۸۳)

ترجمہ:- اگلے جہان کی برکت ان کو دی جائیگی جو زمین میں تکبّر اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی فساد برپا کرتے ہیں یقیناً اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوتا ہے۔

(۵) سورۃ الذاریات میں فرمایا:۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۰ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۰ وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۰ (الذاریات: ۱۷-۱۹)

ترجمہ:- وہ لوگ ذکر الٰہی کے باعث راتوں کو کم سوتے تھے۔ بوقت سحر استغفار کرتے تھے اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور محروموں کے لئے حق ہوتا ہے۔"

(۶) سورۃ المعارج میں فرمایا:۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۰ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۰ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المعارج: ۲۳-۳۴)

ترجمہ:- یہ لوگ اپنی نماز پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ ان کے اموال میں سائل اور محروم کیلئے معلوم حق ہے۔ یہ لوگ جزا و سزا کے وقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ کا عذاب خوفناک چیز ہے۔ یہ لوگ صرف اپنی منکوحہ بیویوں اور لونڈیوں سے ہی اختلاط رکھتے ہیں اسلئے قابل ملامت نہیں ہاں جو اس شرعی پابندی سے تجاوز کریں وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ پھر متقی لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی ہمیشہ نگرانی کرتے ہیں۔ اور سچی گواہی پر قائم رہتے ہیں اور بلاناغہ اور بالالتزام عبادت بجالاتے ہیں۔"

(۷) سورۃ الانسان میں فرمایا:۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۰ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ

لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ○
(الانسان : ۷-۹)

ترجمہ :- یہ لوگ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کا عذاب حاوی ہو جانے والا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہیں ہیں۔"

(۸) سورۃ التوبہ میں فرمایا :-

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (التوبہ : ۱۱۲)

ترجمہ :- وہ توبہ کرنے والے، عبادت بجالانے والے، حمد کرنے والے، سیاحت کرنے والے، رکوع و سجود کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے منع کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی مقررہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ ایسے ایمانداروں کو بشارت دو۔"

(۹) سورۃ المومنون میں فرمایا :-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ (المومنون : ۱-۹)

ترجمہ :- وہ مومن یقیناً کامیاب ہوں گے جو اپنی نمازیں خشوع سے ادا کرتے ہیں اور لغو باتوں سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وہ پاکدامنی اختیار کرتے ہیں اور اپنی منکوحہ بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کسی سے ازدواجی تعلق نہیں رکھتے جو لوگ اس طریق سے تجاوز کریں گے۔ وہ اعتدال سے گرنیوالے ہیں۔ یہ مومن اپنی امانتوں اور عہدوں کی بھی پوری پابندی کرنیوالے ہیں اور ہمیشہ پوری احتیاط سے اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔"

(۱۰) سورۃ الفرقان میں عباد الرحمٰن یا قرآنی سوسائٹی کے افراد کی صفات میں فرمایا :-

(الف) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان : ۶۳-۶۴)

ترجمہ :- اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر باوقار طور پر زندگی بسر کرتے ہیں اور اگر جاہل انہیں جاہلانہ خطاب کریں تو وہ سلام کر کے چل دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے حضور قیام اور سجدوں میں راتیں بسر کرتے ہیں۔"

(ب) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ (الفرقان : ۶۷)

ترجمہ :- وہ جب مال خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں بلکہ میانہ روی ان کا شیوہ ہوتا ہے۔"

(ج) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ (الفرقان : ۷۲)

ترجمہ :- وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کبھی لغو بات

یا لغو موقع پیش آئے تو وہ نہایت کریمانہ انداز میں وہاں سے چل دیتے ہیں۔"

قرآن مجید کے مختلف مقامات پر مومنوں کے لیے جن صفات سے متصف ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے انکا مختصر خاکہ سطور بالا میں کھینچا جا چکا ہے، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآنی معاشرہ کیسا ہونا چاہیئے۔ نیز یہ کہ جس ملک یا جس قوم میں یہ معاشرہ قائم ہو جائے وہ کس قدر سعادتمند اور خوش قسمت ہے۔

قرآنی معاشرہ کی خصوصیات

قرآن کریم جس معاشرہ کو قائم کرنا چاہتا ہے اسمیں جن اعتقادی، تمدنی، اقتصادی، اخلاقی اور تربیتی خصوصیات کو پیدا کرنا چاہتا ہے ان کی ایک جھلک مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے سے نظر آ سکتی ہے۔

(۱) **توحید** - قرآنی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات، صفات اور عبادت میں شریک نہیں ٹھہرایا جائیگا۔ کلی طور پر خدا کی توحید کو مدارِ اعتقاد و عمل قرار دیا جائیگا اور تمام ایمانیات اسکے تابع ہونگے۔ یَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (لقمان: ۱۳) اے بیٹے! اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(۲) **ماں باپ سے حسنِ سلوک** - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الف) وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝ (الاسراء: ۲۳-۲۴)

ترجمہ - تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ سے حسنِ سلوک کرو۔ اگر وہ تیری زندگی میں بوڑھے ہو جائیں تو خصوصاً لحاظ رکھو۔ اُف تک نہ کہو اور نہ ہی درشتی استعمال کرو بلکہ ہمیشہ عزت و احترام سے بات کرو اور محبت کے ساتھ ان کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو کہ اے خدا! تو ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی ہے۔"

(ب) فرمایا - وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (العنکبوت: ۸) کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ اپنے والدین سے عمدہ سلوک کرے ہاں اگر وہ تجھے شرک پر آمادہ کرنا چاہیں تو اس بارے میں انکی بات نہ مانی جائے میری طرف تم سب لوٹو گے اور میں تمہارے اعمال سے تمہیں آگاہ کروں گا۔" (ج) پھر فرمایا وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (لقمان ۱۴-۱۵) ترجمہ - ہم نے انسان کو ماں باپ سے اچھے سلوک کیلئے وصیت کی ہے۔ اسکی ماں اسکے حمل اور شیر خوارگی کے دو سال بڑی تکلیف سے گزارتی ہے پس اے انسان! تو میرا بھی شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کر۔ میری طرف لوٹنا ہے۔ اگر ماں باپ تجھے نامعلوم باطل معبودوں کو میرے ساتھ شریک ٹھہرانے پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات نہ مان مگر دنیاوی معاملات میں بہرحال ان سے اچھا سلوک کرتا رہ اور اعتقادات و اعمال میں ان لوگوں کے راستہ کو اختیار کر جو میری طرف جھکنے والے ہیں۔ تم سب میرے پاس آؤ گے میں تمہیں تمہارے

اعمال سے آگاہ کرونگا۔"

(۳) رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر لوگوں سے حسن سلوک۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الف) فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم: ۳۸) کہ رشتہ داروں کو، مسکینوں کو اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔ خدا کی خوشنودی چاہنے والوں کیلئے یہ بہتر ہے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہونگے۔" (ب) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (الاسراء: ۲۶) رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، اسراف اور فضول خرچی نہ کرو۔" (ج) وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء: ۳٦) کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، عارضی ساتھیوں، مل کر کام کرنیوالوں، مسافروں اور غلاموں ماتحتوں سے عمدہ اور محسنانہ سلوک کرو۔ اللہ تو تکبر اور فخر کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا۔" (د) وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرۃ: ۱۷۷) "کامل نیکی والا وہ شخص ہے جو اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب پر، نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور محبت کے باوجود اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والے حاجتمندوں پر اور گردنوں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے۔ پھر وہ نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور ایسے لوگ جب عہد کریں تو اسے پورا کرتے ہیں اور تنگی بیماری اور جنگ کے اوقات میں صبر و حوصلہ سے کام لیتے ہیں۔ یہی سچے مومن اور یہی لوگ متقی انسان ہیں۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی سوسائٹی میں شامل ہونیوالے افراد کے اعمال و عقائد کا ایک نقشہ پیش فرمایا ہے۔ موخر الذکر آیت میں نیکی کا معیار واضح کردیا ہے۔ نیک بننے کیلئے جہاں یہ ضروری ہے کہ انسان کے عقائد درست ہوں، اسکے اعمال درست ہوں وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر لوگوں سے عمدہ سلوک کرنیوالا اور ان پر مال خرچ کرنیوالا ہو۔

(۴) یتیموں اور مسکینوں سے سلوک۔ قرآنی معاشرہ میں یتیم کی خبرگیری اور مسکین کی دستگیری پر خاص زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ سوسائٹی کا ضعیف ترین رکن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الف) كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الفجر: ۱۸) اے قریش! تم لوگ یتیموں کا اکرام نہیں کرتے اور مسکینوں کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ (ب) فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد: ۱۳-۱٦) اخلاقی بلندی یہ ہے کہ غلاموں کو آزاد کرایا جائے یا رشتہ دار یتیم اور خاک آلود مسکین کو قحط کے وقت کھانا کھلایا جائے۔ (ج) فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

الْيَتِيْمَ - وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ٥ (الماعون ۲-۳) یہ منکرینِ قیامت یتیموں کو دھتکارتے ہیں اور مسکین کے کھانے کے لئے کسی کو ترغیب نہیں دیتے۔

(د) فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ ۹-۱۰) اے مومن! تو یتیم سے کسی طرح کی بدسلوکی نہ کر اور مانگنے والے کو مت ڈانٹ۔

(ھ) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (الاسراء: ۳۴) یتیم کے مال میں صرف وہی تصرف کرو جس سے اسے فائدہ پہنچے تاکہ اُسے بالغ ہو کر اپنا پورا مال مل سکے۔

(و) اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء: ۱۰) جو لوگ ظلم کی راہ سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں یہ لوگ دوزخ میں جلیں گے۔

(ز) وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (النساء: ۲) یتیموں کو ان کے مال ادا کر دو۔ عمدہ کی بجائے ردی مت دو۔ اور اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ان کے مال مت کھاؤ یہ سخت گناہ ہے۔

(ح) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (البقرہ: ۲۲۰) کہ تجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ یتیموں کے بارے میں کیا تعلیم ہے تو انہیں بتا دے کہ یتیموں کی اصلاح اور بھلائی قوم و ملت کیلئے مفید ہے اور اگر تم انکو آپس میں بالکل ملا لو (یعنی ان کے احساسِ یتیمی کو مٹا دو) تو وہ بہر حال تمہارے بھائی ہیں"۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ جب کہ معاشرہ میں یتیموں کی اِس طور سے نگہداشت ہو تو کیا اس قوم کی ہلاکت کا کوئی خطرہ ہو سکتا ہے؟ اے کاش کہ مسلمان اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔

(۵) **بیویوں کا مقام اور ان سے سلوک۔** قرآن مجید نے صنفِ نازک کے حقوق کی پوری پوری نگرانی کی ہے اسلام بیوی کو خاوند کے برابر حقوق دیتا ہے۔ خدا کے قرب کے پانے میں مرد و عورت برابر ہیں۔ تمدنی حقوق میں دونوں یکساں ہیں۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ: ۲۲۸) عورت کے سکنیٰ، ورثہ اور مہر کے حقوق قائم کئے گئے ہیں۔ بیشک قرآن مجید نے نکاح کو ایک مقدس رشتہ اور مضبوط میثاق قرار دیا ہے۔ مگر اس نے اس نازک رشتہ کی بنیاد محبت کو قرار دیا ہے۔ فرمایا جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم: ۲۱) اللہ ہی نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت کو پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو تاکید فرمائی وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (النساء: ۱۹) کہ اپنی بیویوں سے نہایت محبت کا سلوک کرو۔ اگر ان کی کوئی بات ناپسند بھی ہو تو بھی یاد رکھو کہ ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت پیدا کر دے۔

بیویوں کو تاکید فرمائی فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ النساء: ۳۵ کہ اچھی بیویاں وہ ہیں جو خوشدلی سے بات ماننے والی ہوں اور غائبانہ طور پر بھی خاوندوں کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہوں۔ پھر قرآن مجید نے نہایت لطیف پیرایہ میں ایک ہی جامع فقرہ میں ازدواجی زندگی کا نچوڑ بیان کر دیا۔ فرمایا هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ ۱۸۸)

تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم اپنی بیویوں کا لباس ہو۔

قرآنی معاشرہ میں مذہبی آزادی

قرآن مجید ہر انسان کو تنگی عقیدہ اور عمل کی آزادی دیتا ہے۔ سب اہل مذاہب کے معابد کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

(الف) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ: ۲۵۶) مذہب میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں کیونکہ بلحاظ دلائل حق و باطل میں کھلا کھلا امتیاز ہو چکا ہے۔ (ب) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (توبہ: ۶) اگر کوئی مشرک تمہارے پاس آئے تو اسے اپنے پاس پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام الہٰی سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو کیونکہ یہ لوگ اسلام سے ناواقف ہیں (ج) وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت: ۴۶) اہل کتاب سے مذہبی گفتگو میں نہایت اچھا رویہ اختیار کرو۔ (د) وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج: ۴۰) اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ ظالموں کے ہاتھ نہ روکتا تو یہودیوں کی عبادتگاہیں، عیسائیوں کے گرجے، دوسری قوم کے معابد اور مسلمانوں کی مساجد گرا دی جاتیں اور محفوظ نہ رہ سکتیں حالانکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے مددگاروں کی نصرت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے۔"

قرآنی معاشرہ میں اقتصادی توازن

قرآن مجید نے سود کو حرام قرار دیا۔ جوا بازی کو ناجائز ٹھہرایا۔ ورثہ کے احکام جاری فرمائے۔ صدقات کی ترغیب دی اور زکوٰۃ کو فرض ٹھہرایا تاکہ اسلامی معاشرہ میں غیر طبعی طور پر انجماد ثروت نہ ہو۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر اس کی حکمت كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر: ۷) کے الفاظ میں بیان فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کا حکم دیا اور اس کے لئے شرعی حدود مقرر فرمائے اور پھر فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء: ۲۹) اے مومنو! آپس میں کسی کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ ہاں باہمی رضامندی سے تجارت کرو اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرنیوالا ہے"

یاد رہے کہ اقتصادی توازن کو برباد کرنیوالی چیز سرمایہ داری ہے سرمایہ دار اپنے خزانہ پر سانپ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(التوبہ: ۳۴)

کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور انہیں اللہ کے مقررہ راستے میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی اطلاع دیدو" پس اسلام اپنی روح اور اپنے الفاظ میں سرمایہ داری کے خلاف ہے اور قرآنی معاشرہ میں اقتصادی بحران پیدا ہونے کی کوئی جائز وجہ موجود نہیں ہے۔ (باقی پھر انشاء اللہ)

قرآن مجید کی بشارات اُمّتِ محمدیہ کے حق میں

رسالہ "طلوعِ اسلام" کے "تبصرہ" پر نظر

مُدیر طلوعِ اسلام کے جناب چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے سوالات کے جواب

تمہید

کراچی کے رسالہ "طلوعِ اسلام" نے اپنی اشاعت اکتوبر ۱۹۵۳ء میں جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ایک پُرانے مضمون زیرِ عنوان "ایک عزیز کے نام خط" پر "تبصرہ" کیا ہے انہیں اسوقت اس تبصرہ کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ لوگ مدیر صاحب کو لکھتے تھے کہ "طلوعِ اسلام نے قادیانیت کے متعلق کچھ نہیں لکھا" (اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۸) اسلئے آپ نے عوام کے جذبہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ تبصرہ شائع فرمایا ہے۔

تعلیمیافتہ لوگ اور احمدیّت

مدیر طلوعِ اسلام لکھتے ہیں:-

"یہ خیال اکثر دہرایا جاتا ہے اور ہم سے بھی اس کے متعلق اکثر پوچھا جاتا ہے۔ کہ احمدی جماعت میں ایسے ایسے لکھے پڑھے لوگ موجود ہیں۔ اگر یہ سلسلہ ایسا ہی خلافِ اسلام اور باطل پر مبنی ہے تو اس قدر تعلیمیافتہ اور سمجھدار لوگ اس میں کیوں شامل ہیں؟ اس تعلیمیافتہ سمجھدار طبقہ میں چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے۔"

اس استفسار کے جواب میں جناب مدیر صاحب فرماتے ہیں:-

"اگر کسی کے تعلیمیافتہ اور سمجھدار ہونے سے یہ لازم آجاتا ہے کہ وہ مذہب کے حقائق کو بھی پرکھ سکے اور کسی کی بین الاقوامی شہرت اس کی ضمانت ہوسکتی ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز بھی کرسکے تو مہاتما گاندھی کو کبھی ہندو دھرم جیسے فرسودہ مذہب کا پیرو نہیں ہونا چاہیئے تھا اور پنڈت جواہر لال نہرو کو کبھی خدا کا منکر نہیں ہونا چاہیئے تھا"

مدیر صاحب طلوعِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر استدلال قرآن کریم کی روشنی میں کیا کرتے ہیں، اور اسی بنا پر وہ احادیثِ نبویہ کو بھی غیر ضروری سمجھ کر ان کا انکار کرتے ہیں لیکن اس جواب میں انہوں نے نہ کسی آیتِ قرآنی سے استدلال کیا ہے اور نہ ہی قرآن مجید کا خیال رکھا ہے۔ بے شک یہ درست ہے کہ ابھی تک سارے تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے مگر کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ جن تعلیمیافتہ اور سمجھدار لوگوں نے اسلام کو قبول کیا ہے ان سے اسلام کی صداقت پر استدلال غلط ہے؟ مدیر صاحب اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر غور کریں۔ فرمایا:-

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ

عُلَمٰٓؤُا بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء)

کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء کو بھی قرآن پاک کی صداقت کا علم ہے"۔

ہم مانتے ہیں کہ خدا کے مامور کے آنے پر بہت سے ظاہر پرست "اہل علم" اس کی تکذیب پر کمربستہ ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (المؤمن: ۸۳) کہ جب ان کے پاس رسول بیّنات لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے علم پر ناز کرنے لگے اور رسولوں کی تعلیم پر استہزاء کرنے لگے۔ آخر کار انہیں اپنے استہزاء کا خمیازہ اٹھانا پڑا"۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے خدا ترس طبقہ کا کسی مامور کو مان لینا اسکی صداقت کی ایک دلیل ٹھہرایا ہے جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیت میں اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان مؤخر الذکر تعلیمیافتہ اصحاب کے متعلق ہی فرمایا ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۸) کہ وہ خشیت اللہ کے ماتحت تمام کام کرتے ہیں۔

قرآنی علم کے جائزہ کا انداز!

مدیر طلوع اسلام لکھتے ہیں:-

"جب ہم سے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے متعلق خصوصیت سے پوچھا جاتا تو ہم جواب میں کہتے کہ خود یہ حقیقت کہ چودھری صاحب احمدیت جیسے کمزور مسلک کے متبع ہیں اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ قرآن کے متعلق ان کا علم بھی زیادہ سے زیادہ ویسا اور اتنا ہی ہے جیسا اور جتنا علم خود میرزا صاحب کا تھا"۔

کیا یہ انداز تحریر کسی خدا ترس انسان کا ہو سکتا ہے؟ مدیر طلوع اسلام کا خیال ہے کہ اس قسم کی خالی خولی طنزیہ عبارتوں سے وہ حق کو چھپانے کی کوششوں میں کامیاب ہو سکیں گے مگر ع ایں خیال است و محال است و جنوں۔ احمدیت کا "کمزور" یا "مضبوط" ہونا تو زیر بحث تھا اور اسی کے فیصلہ کے لئے لوگ آپ سے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں پوچھتے تھے مگر آپ ہیں کہ احمدیت کو "کمزور" قرار دیکر اپنی دلیل کو استوار کرنا چاہتے ہیں۔ اہل علم اس غلط انداز استدلال کو مصادرہ علی المطلوب قرار دیکر باطل ٹھہرا چکے ہیں۔ آخر دعویٰ اور دلیل میں کوئی فرق کیا ہوتا؟

جناب مدیر صاحب لکھتے ہیں:-

"ہمارے نزدیک اسلام کی بنیاد ان عقائد و تصورات حیات پر ہے جو قرآن کریم میں مندرج ہیں اسلئے کسی عقیدے یا تصور کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار بھی قرآن ہی ہے۔ زیر نظر پمفلٹ (ایک عزیز کے نام خط) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود **چودھری صاحب بھی اس حقیقت سے متفق ہیں**"۔

جب یہ حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ کے نزدیک صحت عقائد کا معیار قرآن مجید ہے تو صاف ظاہر ہے کہ مدار گفتگو قرآن مجید پر ہونا چاہیئے نہ کہ ادھر ادھر کی قیاسی باتوں کو طول دیا جائے۔ مدیر صاحب کہتے ہیں کہ چودھری صاحب کے اس مضمون یا پمفلٹ کا "بیشتر حصہ اسلام کی عمومی تعلیم سے متعلق ہے" ہاں "جستہ جستہ مقامات پر" احمدیت کے اختلافی مسائل کا ذکر آیا ہے۔ مدیر صاحب بزعم خویش چودھری صاحب کے علم قرآن کا جائزہ لینے کے لئے پمفلٹ کے

ملہ ۲ سے ایک ادھورا سا اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں چودھری صاحب موصوف نے آیت قرآنی مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ کی روشنی میں کلام الٰہی کی مختلف صورتوں کا ذکر فرمایا۔ اس عبارت میں لکھا ہے کہ "جو نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ خالص الہام یا وحی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔"

اس پر مدیر طلوع اسلام یوں جائزہ لیتے ہیں:

"کیا چودھری صاحب بتا سکتے ہیں کہ قرآن میں کہیں یہ لکھا ہے کہ الہام کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں کیا سارے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی کسی نبی کے لئے الہام کا ذکر آیا ہے؟"

ذرا سوچئے کہ کیا اہل علم اسی طرح گفتگو کیا کرتے ہیں؟ کیا چودھری صاحب کی عبارت میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ الہام کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں؟ کیا چودھری صاحب کی عبارت میں یہ فقرہ ہے کہ نبی کے لئے الہام کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے؟ جب مکرم جناب چودھری صاحب کی عبارت میں یہ دعویٰ ہی موجود نہیں تو ایک غلط دعویٰ ان کی طرف منسوب کر کے اس کے ثبوت کا مطالبہ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ ان کی عبارت میں صرف یہ فقرہ ہے کہ "خالص الہام یا وحی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ اس جگہ چودھری صاحب نے "خالص الہام" کا لفظ "وحی" کے مترادف کے طور پر استعمال کیا ہے اور یہ امر مدیر صاحب کو مسلّم ہے کہ "قرآن خدا کی مرضی کے اظہار کیلئے صرف وحیؑ کا ذریعہ بتاتا ہے اور یہ وحی صرف انبیاء علیہم کو ملتی ہے۔" اور حضرت چودھری صاحب کا یہ بیان کہ الہام کا لفظ کبھی وحی کے ہم معنیٰ استعمال ہوتا ہے عربی لغت سے بھی ثابت ہے۔ اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ بِكَذَا کے معنے ہوتے ہیں، اَلْهَمَهُ بِهٖ کہ اسے الہام کیا (المنجد) ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام نے پہلے تو یہ تصرف کیا کہ "خالص الہام یا وحی" کے الفاظ کی بجائے صرف لفظ "الہام" رکھ دیا اور پھر اس پر اعتراض جما دیا۔ کیا اہل قرآن کے علمی جائزہ کا یہی انداز ہوتا ہے؟

مسئلہ نبوت کے متعلق جماعت احمدیہ کا عقیدہ

جناب مدیر طلوع اسلام نے حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے پمفلٹ سے مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا ہے:-

"مسلمانوں کی طرف سے بڑا اعتراض جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں آ سکتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ ایک لمبا مسئلہ ہے لیکن مختصر طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ قرآن کریم

ملہ آیت قرآنی ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیًا او من وراء حجاب میں وحی کے مقابل پر من وراء حجاب کا لفظ آیا ہے۔ پس دعویٰ حصر باطل ہے۔

ملہ آیت وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ سے حواریوں کی طرف وحی ثابت ہے۔ پس وحی کو انبیاء سے مخصوص ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

آخری شریعت ہے اور چونکہ یہ ہر رنگ میں کامل ہے اسلئے اس کے بعد کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی نیا شارع نبی آسکتا ہے جو اسلامی شریعت کو منسوخ کرے یا اس کی ترمیم کرے۔ اور نہ کوئی ایسا نبی آسکتا ہے جس کو بغیر اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا درجہ عطا ہو۔ کیونکہ بجز آپ کی اتباع کے اور قرآن کریم پر عمل کرنے کے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا چہ جائیکہ اعلیٰ ترین روحانی انعام یعنی درجۂ نبوت کو پاسکے لیکن اس رنگ میں نبی آسکتا ہے کہ وہ اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا فی الرسول کا مقام حاصل کرلے اور اللہ تعالیٰ اُسے کثرت مکالمہ مخاطبہ سے مشرف فرمائے اور اسے تجدید اسلام کے لئے مقرر فرمائے اور اسے نبوت کا درجہ عطا فرمائے چونکہ ایسی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہی ظلّ اور جزو ہے اور حضور کی نبوت سے الگ نہیں۔ اور ایسی نبوت اُمتِ محمدیہ کے لئے ایک رحمت ہے اور ختم نبوت کے منافی نہیں اور اُمتِ محمدیہ کو دوسری اُمتوں میں ممتاز کرتی ہے کیونکہ ان کی تعلیمیں اور شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور ان کی تجدید اور احیاء کے لئے اب کسی خاص انتظام کی ضرورت نہیں لیکن قرآن کریم زندہ ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتا اور اس کی باطنی حفاظت کے لئے اور اس کی تعلیم کے مطابق نمونہ قائم کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احیاء کا انتظام ہو سو وہ ظلّی نبوت کا سلسلہ ہے جو اِس اُمت میں جاری ہے۔" (طلوع اسلام صفحہ ۳۹ اکتوبر ۵۲ء)

یہ عبارت اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت واضح ہے اس سے ثابت ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے لئے قرآن مجید کی رُو سے بہت بڑی بشارات موجود ہیں۔ تمام اعلیٰ درجات کے دروازے اِس شرط سے ان کے لئے کھلے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالے ہوں۔ اُمتِ محمدیہ کا یہ وہ بلند مرتبہ ہے جو جماعتِ احمدیہ کے مسلمات سے ہے۔ اسی لئے جماعتِ احمدیہ کے نزدیک آنے والا مسیح موعود بنی اسرائیل میں سے نہیں بلکہ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہے۔

تشریعی اور غیر تشریعی نبوت

مدیر طلوع اسلام نے جناب چودھری صاحب کی مندرجہ بالا عبارت پر جو "تبصرہ" فرمایا ہے وہ محض پانچ سوالات میں منحصر ہے۔ پہلا سوال جناب مدیر صاحب کے الفاظ میں یوں ہے:-

"کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن میں کسی جگہ شارع اور غیر شارع نبی کی تمیز و تفریق کی گئی ہے؟ کیا اس میں کہیں یہ لکھا ہے کہ نبوت دو قسم کی ہوتی ہے ایک شریعت والی اور ایک غیر شریعت والی؟ کیا اس میں کہیں یہ مذکور ہے کہ نبی بغیر شریعت کے بھی آیا کرتا ہے؟"

جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ انبیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) صاحبِ شریعت نبی جو

نئی شریعت کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں (۲) غیر تشریعی نبی جنہیں نئی شریعت نہیں دی جاتی بلکہ وہ سابقہ شریعت کی پیروی کرنے کے لئے مامور کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

(المائدہ: ۴۳)

ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ یہود کے لئے تورات کے مطابق وہ نبی بھی فیصلے کرتے تھے جو تورات کے تابع تھے اور ربانی اور احبار بھی کیونکہ ان سب کو کتاب الٰہی (تورات) کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔"

اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تورات کے بعد کچھ ایسے نبی آئے تھے جو نئی شریعت نہ لائے تھے۔ بلکہ وہ تورات کو ہی نافذ کرنے پر مامور تھے۔ اَلنَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ وہ تورات کے تابع نبی تھے ورنہ اَلَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا کا ذکر بالکل بے ضرورت نظر آتا ہے۔ کیونکہ کوئی نبی ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو فرمانبردار نہ ہو۔ اسجگہ اَلَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا کا لفظ اسی غرض سے لایا گیا ہے تا یہ بتایا جائے کہ تورات کی شریعت پر چلانے کے لئے جس طرح ربّانی اور احبار مقرر تھے اسی طرح نبیوں کی ایک جماعت بھی تورات کی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے مامور تھی۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

(بقرہ: ۸۶)

ہم نے حضرت موسیٰ کو الکتٰب (تورات) دی اور ان کے بعد بہت سے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بیّنات دیئے اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔"

اِس آیت میں "وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ میں مذکورہ رسولوں ہی کے متعلق سورہ مائدہ کی آیت میں اَلَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا فرمایا ہے۔ یہ جملہ انبیاء موسوی شریعت پر چلانے کے لئے آئے تھے اور یہ سب یہود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

قرآن مجید کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کتاب موسیٰ یعنی تورات ہی بنی اسرائیل کی شریعت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف میں جنوں کا یہ قول بیان فرمایا ہے اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى (آیت ۳۰) کہ قرآن کا نزول موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے پھر سورۃ الجاثیہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (آیت ۱۵) کہ ہم نے بنی اسرائیل کو شریعت، حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (آیت ۱۷) کہ اب ہم نے اے پیغمبر! تجھے شریعت دیکر بھیجا ہے پس تو اس کی پیروی کر تا رہ اور بے علم لوگوں کی خواہشات کی

پیروی مت کر۔" اس سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی کتاب کے بعد بطور شریعت قرآن مجید کا ہی نزول ہوا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے جملہ* اسرائیلی نبی غیر تشریعی نبی تھے۔ وہ اپنی کوئی شریعت نہ لائے تھے بلکہ اس لئے مبعوث ہوئے تھے کہ یہود کو شریعتِ تورات پر قائم کریں۔

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ان کے ساتھ بطور وزیر ان کے بھائی حضرت ہارونؑ بھی نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کا وزیر قرار دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي (طٰہٰ ۲۸-۲۹) کہ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر (مددگار، بوجھ بٹانے والا) مقرر کیا جائے۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے اور ان کی کوئی علیحدہ شریعت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ
وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ
وَزِيرًا۔ (الفرقان: ۳۴)

کہ ہم نے موسیٰ کو الکتب یعنی تورات دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا وزیر مقرر کیا۔"

حضرت ہارونؑ عملی طور پر بھی حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور سے واپسی پر حضرت ہارونؑ سے فرمایا تھا أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي (طٰہٰ ۹۳) کہ کیا تُو نے میری نافرمانی کی ہے؟

ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰؑ کے تابع تھے۔ وہ کوئی نئی شریعت نہیں دیئے گئے تھے۔ بلکہ موسوی شریعت کے نفاذ میں موسیٰ علیہ السلام کے وزیر تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ از روئے قرآن مجید نبی دو قسم کے ہوتے تھے (۱) نئی شریعت لانے والے نبی۔ (۲) نئی شریعت نہ لانے والے نبی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ طلوعِ اسلام اِن آیات کا کیا جواب دیتا ہے؟

ظلّی نبوت کا قرآن مجید سے ثبوت!

جناب مدیر طلوعِ اسلام نے دوسرا اور تیسرا سوال یوں کیا ہے کہ:-

(۲) "کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ ایک نبی کی اتباع سے کوئی شخص نبی بن سکتا ہے؟ کیا قرآن نے کسی ایسے نبی کا ذکر کیا ہے جو کسی دوسرے نبی کی اتباع سے خود نبی بن گیا ہو؟ (۳) کیا چودھری صاحب یہ بتائیں گے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ کوئی نبوت کسی دوسری نبوت کا ظلّ یا جزو ہوتی ہے؟ کیا قرآن نے کسی نبی کو کسی دوسرے نبی کا ظلّ یا جزو قرار دیا ہے؟ کیا اس میں کسی ظلّی یا جزوی نبی کا ذکر تک بھی ہے؟"

خلاصہ ان دونوں سوالوں کا یہ ہے کہ قرآن مجید سے ظلّی نبوت کا ثبوت دیا جائے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ظلّی نبوت ایک اصطلاح ہے اس سے مراد وہ نبوت ہے جو کسی متبوع نبی کی پیروی کے نتیجہ میں حاصل ہو براہِ راست یا تشریعی نبوت نہ ہو۔ گویا ظلّی نبوت وہ غیر تشریعی نبوت ہے

* بعض لوگ انجیل کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ انجیل کوئی شریعت کی کتاب نہیں انجیل کے معنی بشارت کے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کا خاص مشن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قریب آجانے کی بشارت دینا تھا۔

جو کسی اعلیٰ درجہ کے نبی کی پیروی اور اتباع کی برکت اور فیضان کے طور پر ملتی ہے ظلّی نبوت کے ان معنوں کی رو سے اس قسم نبوت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب تک جامع کمالات نبی مبعوث نہ ہو جس کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہو تب تک ظلّی نبوت کا معرضِ وجود میں آنا ممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء اس درجہ پر نہ تھے کہ ان کی پیروی سے کوئی شخص نبوت کو حاصل کر سکتا۔ ان انبیاء کی پیروی کا بڑے سے بڑا ثمرہ صدیقیت تھا۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ (الحدید ۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا کہ آپ کے پیروکاروں کے لئے آپ کی پیروی کے نتیجہ میں نبوت کے پانے کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ پہلے نبیوں کے روحانی مدرسوں میں صرف تین جماعتیں ہوا کرتی تھیں (۱) صالحیت (۲) شہیدیت (۳) صدیقیت۔ ہمارے سید و آقا حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی مدرسہ کامل ہے اور اس میں چاروں جماعتیں موجود ہیں (۱) صالحیت (۲) شہیدیت (۳) صدیقیت (۴) نبوت اب یہ چاروں انعامات اُمّتِ محمدیہ کے لئے مخصوص ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے مشروط ہیں۔ اس طرح سے ملنے والی نبوت ظلّی نبوت ہے اور یہ صرف اُمّتِ مسلمہ میں جاری ہے۔ پہلے کسی نبی کی اُمّت کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ اس ظلّی نبوت کا قرآن مجید کی آیت ذیل سے بالبداہت ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝ (النساء: ۶۸-۶۹)

کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہ ان کے ساتھ ہیں، ان کے ہم رتبہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ انعام فرما چکا ہے یعنی وہ نبی ہیں اور صدیق ہیں اور شہید ہیں اور صالح ہیں۔ یہ بہترین ساتھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بطور خیر الرسل بیان ہوا ہے اور اُمّتِ محمدیہ کا درجہ بطور خیر الامم ذکر ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امتیاز بیان ہوا ہے کہ آپ کی پیروی سے ظلّی نبوت بھی مل سکتی ہے۔ اور اُمّتِ محمدیہ کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ تمام ایسے انعامات حاصل کرے گی جو پہلی اُمّتوں کو ملے تھے۔ ہاں ان انعامات کا پانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے وابستہ ہے ایسی اطاعت والی نبوت کو ظلّی نبوت کہتے ہیں پس قرآن مجید سے آنحضرتؐ کی پیروی میں ظلّی نبوت کا ثبوت بالبداہت ثابت ہے۔ اس نبوت کی پہلے نبیوں میں مثال تلاش کرنا عبث ہے کیونکہ ظلّی نبوت کا ظہور محض خاتم النبیینؐ کے بعد ہو سکتا تھا اس سے پہلے نہیں ہو سکتا تھا۔

قرآن مجید کی باطنی حفاظت

مدیر صاحب طلوعِ اسلام لکھتے ہیں:۔

"کیا چودھری صاحب فرمائیں گے کہ قرآن نے

کہیں بھی اپنی ظاہری اور باطنی حفاظت کی تخصیص کی ہے کیا قرآن میں کہیں بھی اس کی باطنی حفاظت کا ذکر ہے؟ کیا اللہ نے قرآن میں کسی جگہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ظاہری حفاظت تو ویسے ہی ہوتی رہے گی لیکن اسکی باطنی حفاظت کے لئے ظلی نبوت کا سلسلہ جاری کیا جائے گا؟"

مدیر صاحب کا یہ سوال ظاہر کرتا ہے کہ وہ سنجیدگی اور تدبر فی القرآن کے عادی نہیں ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (الحجر) میں وعدہ فرمایا ہے کہ میں قرآن مجید کی حفاظت کروں گا۔ جملہ انا لہ لحفظون اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی خاص حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید کتاب الٰہی کا نام ہے اور کون نہیں جانتا کہ آسمانی کتاب کی حفاظت کے دو پہلو ہیں (۱) اس کے الفاظ محفوظ رہیں۔ ان میں کوئی تحریف یا تغیر و تبدل نہ ہو سکے (۲) اس کے معانی بھی محفوظ ہوں ان میں کوئی الحاد و زندقہ جاری نہ ہو نیز اس کتاب کے احکام زیر عمل ہوں معطل ہو کر نہ رہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک کسی کتاب کی حفاظت کے یہ دو نوں پہلو مکمل نہ ہوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتاب محفوظ ہے۔ پس اوّل تو قرآن مجید کی ظاہری و باطنی حفاظت کا ذکر خود آیت انا لہ لحفظون میں موجود ہے۔ ذرا سے تدبر کی ضرورت ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے تورات کے متعلق فرمایا ہے إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ۔ (المائدہ ۴۴:) کہ ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا اس تورات کے مطابق وہ نبی بھی فیصلے کرتے تھے جو تورات کے تابع تھے اور ربانی لوگ اور علماء یہود بھی۔ کیونکہ وہ سب کتاب الٰہی کیلئے بطور محافظ مقرر کئے گئے تھے۔ اور وہ اس پر گواہ تھے!"

اس آیت کے فقرہ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ سے پوری صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ تورات جب تک منسوخ شریعت قرار دیدی گئی اسکی حفاظت کا یہ انتظام تھا کہ تابع نبی، ربانی لوگ اور ظاہری علماء اس کے محافظ تھے۔ پس جب تورات کی حفاظت اس طریق سے ہو چکا ہے تو قرآن مجید کی حفاظت کے لئے ظلی نبوت کے سلسلہ پر چیں بجبیں ہونے کا کیا موقع ہے؟ اس آیت سے ظاہری اور باطنی حفاظت کا ذکر بھی نکلتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عام احبار (علماء) اس کی ظاہری حفاظت کرتے تھے اور نبی و ربانی لوگ اپنے درجہ کے مطابق اس کی باطنی حفاظت کرتے تھے۔ اس جگہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تورات کے نا تمام کورس ہونے کا یہ نتیجہ تھا کہ تورات کا نفاذ کرنے والے نبیوں نے مقام نبوت (آخری درجہ) براہ راست حاصل کیا ہوتا تھا اس میں حضرت موسیٰ کی پیروی کا دخل نہ ہوتا تھا اسلئے وہ تابع نبی تو تھے مگر ظلی نبی نہ تھے لیکن قرآن مجید چونکہ مکمل کورس ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کامل ترین نبی ہیں اس لئے قرآن مجید کے نفاذ پر مامور ہونے والے نبی بھی قرآنی مدرسہ کے شاگرد اور نبوت محمدیہ سے فیض یافتہ اور اسی کے طفیل مقام نبوت کو پانے والے ہیں اسلئے وہ ظلی نبی ہیں۔ سچ ہے ؎

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ ہی سے اے خیرِ رُسل!
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

قرآن مجید میں مسیح موعود کے آنے کا وعدہ۔

جناب مدیر طلوع اسلام نے حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی عبارت پر پانچواں اور آخری سوال یہ کیا ہے کہ:-

"کیا چودھری صاحب بتائیں گے کہ سارے قرآن میں کہیں کسی جگہ کسی مسیح کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے؟ اگر خدا نے قرآن میں اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کیا تو پھر مسیح موعود کا تصور قرآن کی کھلی ہوئی تحریف اور خدا کی کتاب کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟"

قرآن مجید پر تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ میں آنے والے موعود کا وعدہ فرمایا ہے جس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ:-

(الف) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا ہے۔ فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل : ۱۶) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف اسی طرح رسول اور نگران بنا کر بھیجا ہے۔ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول (موسیٰؑ) بھیجا تھا۔ پھر فرمایا وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ (الاحقاف : ۹) کہ بنی اسرائیل میں سے عظیم الشان شاہد (موسیٰؑ) نے اپنے مثیل کی شہادت دی اور وہ ایمان لایا لیکن اے قریش! تم تکبر کر رہے ہو۔"

پس قرآن مجید کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰؑ ہیں۔

(ب) اُمتِ محمدیہ کے خلفاء موسوی خلفاء کی مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (النور : ۵۶) اللہ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ کے نیکوکار مومنوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اس طرح خلیفے بنائیگا جس طرح اس نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے" اِس آیت میں لفظ کَمَا لا کر واضح فرما دیا۔ کہ مسلمانوں میں خلافت اسی طرح جاری ہوگی جس طرح پہلی اُمتوں میں بالخصوص موسوی اُمت میں تھی۔ اسجگہ جماعتی خلافت کا بھی ذکر ہے اور انفرادی خلفاء کا بھی وعدہ ہے۔ یہ خلفاء اسی نہج پر ہونے والے ہیں جس نہج پر بنی اسرائیل میں خلیفے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں اسلئے آپؐ کی اُمت میں موسوی خلفاء کی مانند خلفاء کے ہونے کا وعدہ اس آیت سے ثابت ہے۔ اور اس کا کون انکار کر سکتا ہے کہ مثیلِ موسیٰؑ کو مثیلِ مسیح کے دیئے جانے کے بغیر یہ وعدہ پورا نہیں ہو سکتا۔

(ج) اُمتِ محمدیہ میں مامورین مصلحین کے آنے کا عام وعدہ بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔ (آل عمران : ۱۸۰)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ مومنوں کو اُس حالت پر نہیں

چھوڑ دیگا جس پر تم ہو بلکہ وہ خبیث کو طیب سے علیحدہ علیحدہ کرتا رہیگا لیکن اس کے لئے وہ تم کو (براہ راست) غیب پر اطلاع نہ دیگا بلکہ وہ جسے چاہے گا اپنے رسول کے طور پر برگزیدہ کرے گا۔ پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہوگا۔"

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور انہیں بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں انکی اصلاح کا انتظام کرتا رہیگا اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت جسے پسند فرمائیگا بطور اپنے فرستادہ کے مبعوث فرماتے گا تمہیں چاہیے کہ خدا کے سب فرستادوں پر ایمان لاؤ۔

۵۔ قرآن مجید نے آخری زمانہ میں آنے والے موعود کی تین شانیں بیان کی ہیں:۔

اول۔ آنے والا موعود حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (ہود ع ۱۷)
کہ کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے بینہ (دلیل و برہان) پر قائم ہو اور پھر خدا کی طرف سے اس کی پیروی کرنے والا شاہد اس کے پیچھے آتے۔ اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب امام اور رحمت ہو (کیا وہ جھوٹا ہو سکتا ہے) اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تینوں زمانوں کے دلائل کو جمع کر دیا گیا ہے۔ زمانہ ماضی میں تورات کی پیشگوئیاں آپ کی صداقت پر گواہ ہیں اور زمانہ حاضر میں پے در پے ظاہر ہونیوالے بینات آپ کی سچائی پر دلیل ہیں اور زمانہ مستقبل میں آنے والا عظیم الشان شاہد اس کی صداقت پر ناطق برہان ہوگا۔

اس آیت میں آنے والے موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہد قرار دیا گیا۔

دوم۔ آنے والا موعود حضرت عیسیٰؑ کے رنگ پر ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پانچوں وقت پڑھی جانے والی دعا میں سکھلایا ہے
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ
کہ اے خدا! ہمیں صراط مستقیم دکھا اور انعام پانے والوں کی راہ پر چلا اور مغضوب علیہم (یہودی) اور ضالین (عیسائی) بننے سے بچا۔ اس دعا سے واضح ہے کہ کوئی ایسا موعود بھی آنے والا ہے جو منعم علیہ گروہ کا ایسا فرد ہوگا جس کے انکار پر مسلمان کہلانے والے مغضوب علیہم کے کے زمرہ میں شمار ہونے لگیں گے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہود کے قطعی طور پر مغضوب علیہم قرار پانے کی نوبت اس وقت آئی تھی جب انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا انکار کر دیا تھا۔ ادنیٰ تدبر سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ آنے والے موعود کو مثیل مسیح قرار دے رہی ہے۔

سوم۔ آنے والا موعود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ
رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ
یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ
وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ
وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ
وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (سورہ جمعہ ۲)
کہ اللہ نے ہی عرب کے لوگوں میں سے ان کیلئے اس عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا ہے جو انکو اللہ کی آیات سُناتا ہے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پیشتر کھلے طور پر گمراہ تھے۔ پھر خدا اسی رسول کو دوسرے لوگوں میں مبعوث کریگا جو ابھی تک پہلے اُمّی لوگوں سے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے"۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کا ذکر ہے (۱) اُمّیوں میں (۲) آخرین میں۔ لفظ واخرین منھم لما یلحقوا بھم عربی زبان کے لحاظ سے اگر مجرور ہو تو اس کے معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس دوسری جماعت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرے گا اور اگر آخرین منھم کو منصوب قرار دیا جائے تو اس کے معنے ہوں گے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّیوں کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں اسی طرح آپ آخرین کو بھی کتاب وحکمت سکھائیں گے۔ بہرحال اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بلحاظ بعثت اور بلحاظ تعلیم وتزکیہ دو جماعتوں سے ہے

سورہ الواقعہ کی آیت ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کا اولین حصہ اور آخری حصہ خاص طور پر بہت بابرکت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس برکت کا موجب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کے فیوض وبرکات کا انتشار ہی ہے۔ اور اولین اور آخرین میں یہ بعثت اس طرح ہوسکتی ہے کہ اولین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ظاہر ہوئے، اور آخرین میں آپ سے فیض پاکر آپ کا ظِلّ اور بروز ظاہر ہو۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

پس قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنے والے موعود کا ذکر فرمایا ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین +

مضمون نگار حضرات سے معذرت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے الفرقان کا قرآن نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اہل علم اصحاب میں سے بہت سے اصحاب کے مضامین ایسے تنگ وقت میں موصول ہوئے ہیں کہ وہ شاملِ اشاعت نہ ہوسکے ایسے تمام دوستوں سے معذرت خواہ ہوں۔ ان کے قیمتی مضامین آئندہ اشاعتوں میں شائع ہوں گے انشاء اللہ

قرآن مجید کی رُو سے تربیت کے آٹھ اصول!

(جناب مولوی قمر الدین صاحب فاضل - انسپکٹر تعلیم و تربیت -)

قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے ہدایت نامہ ہے۔ آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اور آیت وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ اس دعویٰ کی شاہد ہیں۔ سو جیسے وہ جسمانی تربیت فرماتا ہے ویسے ہی روحانی تربیت کے سامان بھی بہم پہنچاتا ہے اور درحقیقت خدا تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے آیت یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ اور آیت یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (نساء ع ۴) کے مطابق ہدایت اور رہنمائی کا کام اپنے ذمہ رکھا ہے۔ اور اگر وہ شریعت مقرر کر کے خود ہی اپنی مخلوق کو راستہ نہ دکھاتا تو بیچارے انسان ضعیف البنیان کی ساری عمر قانون بنانے میں ہی صرف ہو جاتی اور پھر بھی تجربہ کے بعد تجربہ پر شاید صحیح قانون نہ بن سکتا اور انسان صراطِ مستقیم کو نہ پا سکتا۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی رُو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ خدائے عزّوجلّ ہمیشہ سے ضرورتِ حقہ پر لوگوں کی رہنمائی فرماتا رہا ہے اور اس سلسلہ میں اس نے کامل و اکمل کتاب قرآن مجید بطور ہدایت نامہ اور شریعت نازل فرمائی۔ جس کے متعلق فرما دیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدۃ) کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے اور مذہب اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کامل و اکمل کتاب میں اصولِ تربیت کیا بیان فرمائے گئے ہیں؟ یہ ایک بہت اہم مضمون ہے اور اپنی وسعت کے لحاظ سے مستقل کتاب کو چاہتا ہے مگر اس وقت میں وقت کے تقاضا کے لحاظ سے صرف اصولِ تربیت میں سے چند باتیں احباب کے سامنے رکھوں گا۔

اوّل:۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید میں انسانی پیدائش کی غرض آیت مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں عبد بننا بیان کی گئی ہے اور سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کی تعمیل میں جو دُعا سکھائی گئی ہے وہ سورۃ فاتحہ ہے جس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے ہوتی ہے۔ کہ سب خوبیوں اور تعریفوں کی مالک ذات صرف اللہ ہی ہے جو رب العالمین ہے۔ رب کے معنی (۱) پیدا کرنے والا (۲) ترقی دینے والا اور (۳) بتدریج کمال تک پہنچانے والا ہے۔ سو جیسے اُس نے ایک حقیر نطفہ سے انسان بنا دیا اور ناقابلِ ذکر وجود کو اشرف المخلوق کا جامہ پہنا دیا ایسے ہی عبودیت میں کمال کو پہنچنے کے لئے بھی ہدایت فرما دی کہ تمہیں رب العالمین کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اور اُسی کے آگے جھکنا چاہیئے اور جیسے نطفہ بتدریج ترقی کرتا ہے اور علقہ سے مضغہ

اور مضغہ سے عظام اور کَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا کی منزلیں طے کرتا ہوا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ کا مصداق ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی عبودیت میں کمال کو پہنچنے کے لئے بھی صبر اور استقامت کی ضرورت ہے۔ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا وِرد کرنا ضروری ہے جس کا مخالف مفہوم یہ ہے کہ جلدبازی کرنے والا شخص ٹھوکر کھاتا ہے اور درمیانی منازل سے ہی گر کر فنا ہوجاتا ہے اور اس کا وجود ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ صفتِ ربّ العالمین کو پیشِ نظر رکھنا تربیت کے اہم اصولوں سے ہے۔

دوم:۔ قرآن مجید نے ایک اصل یہ بیان فرمایا ہے۔ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ۔ اے لوگو! تم ربانی بنو۔ اور ربانی کے معنے ہیں: اَلَّذِیْ یُرَبِّیْ بصغار العلم قبل کبارھا۔ جو بڑے علوم سے پہلے چھوٹے اور ابتدائی علوم سکھاتا ہے اور بنیاد مضبوط کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بنیاد مضبوط نہ ہوگی تو عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اسی طرح قرآن مجید اور اسلامی باتیں انہیں لوگوں میں قائم رہ سکتی ہیں جن کی بنیادیں مضبوط کی گئی ہوں۔ پس بچپن ہی سے اصولِ ایمانیہ اور فروعات کو سکھانا اور ان پر ایمان کی عمارت کو مضبوط بناتے جانا ضروری امور سے ہے۔ ورنہ جن خاندانوں میں بنیادیں ناقص ہوتی ہیں ان کے ایمان کی عمارت کسی وقت بھی متزلزل ہوسکتی ہے۔

سوم:۔ قرآن مجید نے اصولِ تربیت میں یہ ایک اہم اصل بیان فرمایا ہے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْہَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ الخ (البقرہ) کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سارے کام خدا کے لئے ہوجاویں۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے اَسْلِمْ کہنے پر فرمایا تھا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدا تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ آپ کے سارے کام خدا کی خاطر تھے۔ جیسا کہ آیت قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں مذکور ہے۔ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے حکم کے مطابق ہے۔ جب انسان روحانیت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے تو وہ یقیناً کامیاب ہوگیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں آیت مذکورہ کے ماتحت فنا، بقا اور لقا کے درجات کا ذکر کیا ہے اور ان درجات کو حاصل کرنیوالا نفسِ امارہ سے نجات حاصل کر کے نفسِ لوامہ اور پھر نفسِ لوامہ کے بعد نفسِ مطمئنہ بن کر خدا کی طرف سے اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً کی پیاری آواز کو سنتا ہے اور خدا کے پاک بندوں کے ساتھ ہو کر اس کی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

چہارم:۔ قرآن مجید کی رُو سے جیسا کہ سورۂ لقمان سے ظاہر ہے، شرک اور والدین کی نافرمانی بہت بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشراک باللہ اور عقوق الوالدین کو اکبر الکبائر قرار دیا ہے۔ پس اگر ہم خدا کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو گو ہم بڑی بڑی ریاضتیں کریں اور اپنے نفس کو مارنے کی تدبیریں کریں لیکن اگر ہم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور ماں باپ کے نافرمان ہیں تو ہماری ریاضتیں اور تدبیریں

سب ہیچ ہوں گی۔ جیسے ہم لوگوں سے ہزار نیکی کرکے والدین کو دُکھ دیکر اور انہیں ناراض رکھ کر نیکی کے اعلیٰ مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ہم اس کی ہزار عبادت کریں اور اس کے آگے تذلل کریں تو یہ امر خدا کو خوش نہیں کر سکتا۔ پس تربیت کے اہم امور میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کو راضی کرنے کے لئے اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دیا جائے۔ اور والدین کیساتھ خدا کے تاکیدی حکم کے مطابق ہر طرح کا حسن سلوک روا رکھا جائے۔

پنجم:۔ قرآن کریم میں ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب) کہ اے لوگو! محمد رسول اللہ صلعم تمہارے لئے نیک نمونہ ہیں جیسے یہ عمل کرتے ہیں ویسا کرنے سے خدا خوشنود ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرے مقام میں فرمایا۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف) کہ جو شخص اپنے رب کی ملاقات چاہتا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے مطابق عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دے۔

آنحضرت صلعم کا دین کے بارے میں یہ اسوہ حسنہ ہے کہ آپ دین کے قائم کرنے میں جان تک کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور آپ کو دُنیا سے محبت نہ تھی۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کہ اے رسول! شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دیگا اسلئے کہ لوگ ایماندار ہو جائیں؟ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایماندار بنانے کے لئے اپنی جان کو ہر شکل میں ڈالنے کے لئے تیار تھے۔ اور آپ کا کام لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (طلاق) تھا۔ یعنی آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جاتے تھے۔ دُنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ آپ بادشاہ تھے۔ ہر قسم کے اموال آپ کے پاس آئے۔ آپ نے مہاجرین و انصار کو دے کر انہیں مالا مال کر دیا۔ مگر جب ازواج مطہرات نے غزوہ احزاب سے آئے ہوئے اموال کے پیش نظر مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اگر دُنیوی اموال مطلوب ہیں، تو میں دے دیتا ہوں مگر اس صورت میں میرے ساتھ نہ رہ سکوگی اور اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا سُنا دیا۔ (احزاب) اس پر ازواج مطہرات نے بھی اموال لینے سے انکار کیا۔ اور آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ کیا پاکیزہ وجود تھا جسے رات دن دین کی ترویج کا فکر تھا بس۔ اللّٰھم صل علیہ و علیٰ آلہٖ اجمعین۔

ششم:۔ چھٹا تربیتی اصول قرآن مجید نے یہ پیش کیا ہے کہ بعض اوقات بیویاں اور اولاد بھی انسان کو دین سے دور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (تغابن) کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے بھی تمہارے دشمن ہیں اُن سے بچو۔ اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بیویوں اور اولاد کے اس قدر مطالبات ہوں کہ انسان دینی خدمت میں حصہ نہ لے سکے۔ اس صورت میں گویا بیویاں اور اولاد اُس کے لئے دشمن بن گئے۔ پس فرمایا کہ ان سے بچو۔ یعنی ایسا طریق اختیار کرو جس سے دین ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

ہفتم:۔ ساتواں تربیتی اصل یہ ہے کہ

نیک ماحول کو قائم رکھا جائے۔ اگر کوئی بُرائی کا ارتکاب کرے تو ساری قوم مل کر اصلاح کرے تاکہ وہ گناہ قوم میں نہ پھیل جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ بُرائی تھی کہ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (مائدہ ع) وہ بُرائی سے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے اور یہ بہت بُرا کام کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ساری قوم میں بُرائی پھیل گئی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! انما هلك من كان قبلكم اذا سرق فیهم الشریف تركوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد (مشکوٰۃ) کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ اگر اُن میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور اگر معمولی اور کمزور آدمی بُرا کام کرتا اُس پر حد قائم کرتے۔ گویا یہ طریق ماحول کو خراب کرنے والا ہے اس سے اجتناب کر کے نیک ماحول قائم رکھنا ضروری ہے۔

ہشتم:۔ قومی اتفاق و اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بدگمانی، تجسس اور غیبت سے اجتناب کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (حجرات) کہ اے مومنو! بدگمانی سے بہت بچو۔ نیز تجسس یعنی لوگوں کے عیوب کی تلاش اور ٹوہ میں نہ لگ جاؤ۔ اور غیبت یعنی اگر تمہیں فی الواقع کسی کے عیبوں اور بُرائیوں پر اطلاع ہے تو انہیں اس کی عدم موجودگی میں مجالس میں ذکر نہ کرو۔ اگر ایسا کروگے تو فسادات اور خرابیاں پیدا ہوں گی۔ قومی شیرازہ بکھر جائے گا اور اتحاد اور اتفاق کو سخت نقصان پہنچے گا۔

الغرض اسلام نہایت پاکیزہ مذہب ہے۔ اُس نے تربیت کے لئے اعلیٰ اصول بیان فرمائے ہیں۔ اگر ہم لوگ ان پر عمل کریں تو ہمیں امن و امان کی زندگی حاصل ہوگی اور ہر قسم کے شرور سے ہم محفوظ رہینگے۔ اور خدا کی خوشنودی جو انسانی پیدائش کی اصل غرض ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گی۔

اَللّٰھُمَّ اجعلنا منهم! +

قرآن پاک

(از مکرم جناب ابو فضل الدین صاحب اودسیر)

کلامِ پاک قرآں ہے جہاں میں چشمۂ شیریں
جسے سیراب یہ کر دے وہ سمجھو ہو گیا زندہ

اسی کے دم قدم سے ملّتِ بیضا ابھی زندہ ہے
اسی کے فیض و برکت سے ہیں جملہ انبیاءؑ زندہ

انہیں اجزاء خالص سے ہے عمرِ جاوداں ملتی
یہی نسخہ ہے جس سے ہے ابد تک کیمیا زندہ

خدا کے پاک بندوں نے خدا کو اسمیں دیکھا ہے
اسی آئینہ میں دیکھو حبیبِ کبریاؐ زندہ

یہی وہ حوضِ کوثر ہے یہی ہے چشمۂ حیواں
اسی نورِ خدا سے ہیں کروڑوں اصفیا زندہ

شہیدوں اور صدیقوں نے اسی سے زندگی پائی
اسی رستہ پہ چل کر ہیں ہزاروں اولیاء زندہ

شذرات

۱۔ امریکہ میں بہائیوں کے مشاغل

بہائی لوگ دعوی کرتے ہیں کہ وہ قرآنی شریعت کو منسوخ کر کے نئی شریعت اقدس کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہائی لوگ ایک سوسائٹی بنا رہے ہیں یہ مذہبی تحریک ہی نہیں ہے۔ ہمارے اس بیان پر امریکہ سے آمدہ تازہ اطلاع شاہد ہے۔

ہمارے مبلغ مکرم چودھری شکر الٰہی صاحب امریکہ سے اپنے تازہ ترین خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کچھ عرصہ ہوا کہ مسٹر خلیل احمد ناصر نے جو انچارج مشنری ہیں مجھے فرمایا کہ میں یہاں کے بہائیوں کے نظام کے متعلق کچھ حالات دریافت کروں اور اس نظام کے متعلق مرکز کی اطلاع کیلئے رپورٹ لکھ کر دوں۔ اسوقت سے میں بہائیوں کے جلسوں میں جاتا رہا ہوں اور انکے ممبروں سے ملاقاتیں بھی کرتا رہا ہوں تاکہ میں انکے متعلق زیادہ علم حاصل کر سکوں۔ گذشتہ جمعہ کی شام کو شکاگو مشن کے بعض افراد کیساتھ میں انکے ایک جلسہ میں گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہاں کوئی لیکچر ہوگا جیسا کہ پہلے جلسوں میں ہوتا تھا۔ مگر جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو ہمیں کچھ عجیب سی چیزیں نظر آئیں۔ کرسیاں جلسے کیلئے ترتیب نہیں دی گئی تھیں بلکہ راستے سے ہٹا کر رکھی گئی تھیں اور ایک جوان ایک کونے میں آلہ ریکارڈ کو ناچ اور راگ کے ریکارڈوں کیسا تھ درست کر رہا تھا ہم نے خیال کیا کہ یہ تفریح کا سامان ہے جو جلسہ شروع ہونے پر ختم کر دیا جائیگا۔ پس ہم انتظار کرنے لگے اور کچھ لوگوں کے ساتھ جو ادھر اُدھر کھڑے تھے مذہبی گفتگو شروع کر دی۔ کچھ منٹ ہی گذرے تھے کہ بجائے جلسہ شروع ہونیکے کسی نے روشنی دھیمی کر دی اور چند جوانوں نے ان عورتوں کو پکڑنا شروع کر دیا جو ان کے قریب ترین تھیں اور ان کے ساتھ ناچنے لگے۔ غرض چند سیکنڈ میں وہاں ایک ناچ گھر کا سماں بن گیا۔ جب ہم نے یہ حالت دیکھی تو ہم وہاں سے چلے آئے۔ جب ہم آرہے تھے ایک بہائی نوجوان نے کہا کہ "یہ تو ہماری سوشل میٹنگ ہے جس میں ہم بہائی لوگ اکٹھے ہوتے ہیں"۔ یہاں کے بہائیوں کے مذہبی مشاغل کا یہ ایک نمونہ ہے۔"

۲۔ افریقہ میں اشاعتِ اسلام

مغربی نائیجیریا کے متعلق ایک انگریز مشنری نے لکھا ہے:۔

"To day Islam is Sweeping through Western Nigeria. I judge 20 converts to every convert to Christianity. The people say it is more African, more natural, more suited to them."

(The Listener NOV. 1953)

کہ آج مغربی نائیجیریا میں اسلام کثرت سے پھیل رہا ہے۔ میرے اندازہ میں ایک عیسائی ہونیوالے کے مقابلہ میں وہاں پر بیس مسلمان ہو رہے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام فطرتی اور اس علاقہ کیلئے مناسب ترین مذہب ہے۔"

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا مقالہ

مطالبۂ فرقان!

اے بے خبر بخدمتِ قرآں کمر بہ بند * زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

مکرم مولانا ابو العطاء صاحب نے مجھے شریک ثواب ہونے کی عزت بخشی کہ میں الفرقان کے خاص نمبر کے لئے کوئی مضمون لکھوں۔ حالتِ سفر اور مصروفیت مجھے اجازت نہیں دیتی کہ مَیں حسب دلخواہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں مگر مَیں چند سطور لکھنے سے رہ نہیں سکتا۔

قرآن کریم کا ایک نام الفرقان بھی ہے۔ اور قرآن کریم کی سورتوں میں ایک مستقل سورۃ فرقان ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کا یا بالفاظِ دیگر الفرقان کا ایک مطالبہ اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

تبٰرک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیراً ہ

بابرکت ہے وہ ذات پاک جس نے الفرقان کو اپنے بندہ پر نازل فرمایا۔ اِس تنزیل کا مقصد یہ ہے کہ وہ تمام دُنیا کو آگاہ اور متنبہ کر دے۔

نذیر کے لغوی معنے ڈرانے والا ہے۔ مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ ڈرانے سے وہ مرعوب کرتا ہے بلکہ اس کے اندر ایک شانِ رحمت نمایاں ہے یعنے وہ آنے والے عذاب سے جو منہیاتِ الٰہیہ سے نہ بچنے اور مامورین و مرسلین کے انکار کی وجہ سے بطور مکافات ہے آگاہ کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بشیر و نذیر ہے۔ غرض قرآن کریم کی تنزیل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اکنافِ عالم میں پھیلایا جائے اور اس کے لئے ہر شخص کا (جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے) سعادت ابدی کے حصول کے لئے یہ فرض ہے کہ وہ اس کی اشاعت میں حصہ لے۔

قرآن کریم پر تدبّر کرنے سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کے آغاز میں فرمایا تبٰرک الذی۔ اللہ تعالیٰ نے اِس چشمۂ برکات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کی اشاعت اور اس کے مقصدِ انذار کے پھیلانے میں حصہ لینگے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات کے مستحق ہونگے۔ یہ قرآن کریم کے اسلوب بیان کے کمالِ بلاغت کی ایک شان ہے۔ مَیں نے صرف اشارہ کیا ہے کہ اِس سورۃ کے آغاز میں ہی الفرقان (قرآن کریم) کی اشاعت میں حصہ لینے والے سعادت و برکات کو حاصل کرتے ہیں۔

رسالہ الفرقان اِسی مقصد کے لئے جاری کیا گیا ہے اور یہ قرآن نمبر اسی مقصد کی طرف ایک عملی اقدام ہے اور جماعت احمدیہ کی تاسیس اسی مقصد سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کی ہے اور آپ کی شان میں بتایا گیا کہ وہ ایمان کو ثریا سے لائے گا۔ اور حضرت اقدسؑ نے مندرجہ عنوان شعر میں اِس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مَیں قارئینِ الفرقان کو اِس مطالبہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ برکاتِ الٰہیہ سے سعادت اندوز ہونا چاہتے ہیں اور کون ہے جو اس کا آرزومند نہیں تو الفرقان کی اشاعت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ جس جس قدر اس کی اشاعت کا دائرہ وسیع ہوگا اسی قدر وہ

سعادت کی منازل میں اُوپر چلتے جائیں گے اور برکاتِ الٰہیہ کے حلقہ میں داخل ہوتے جائیں گے۔ مَیں ایک ادنیٰ خادم قدیم کی حیثیت سے الفرقان کے اِس مطالبہ کو دُہراتا ہوں کہ وہ ایک متفقہ کوشش کے ساتھ ۱۹۵۴ء کی پہلی سہ ماہی میں اس کی تعدادِ اشاعت

ایک ہزار تک پہنچا دیں

پھر دوسرے ہزار کے لئے اس کے بعد قدم اُٹھایا جاوے علیٰ ہٰذا القیاس۔ مَیں صرف تحریک نہیں کرتا بلکہ خود بھی حصہ لیتا ہوں اور اِس سہ ماہی میں یا تو پانچ خریدار دوں گا (انشاء اللہ العزیز) ورنہ پانچ خریداروں کی قیمت ادا کر دوں گا۔ اور ختم جنوری سے پہلے اِس وعدہ کے ایفاء کی توفیق چاہتا ہوں۔

موجودہ خریدارانِ الفرقان میں سے اگر ہر ایک ایک ایک خریدار جنوری ۱۹۵۴ء میں دیدے تو فروری کا رسالہ موجودہ اشاعت سے دوچند ہو سکتا ہے (میں رسالہ کی موجودہ اشاعت کا ذکر کرتا مگر مَیں دشمن کو خوشی کا موقع دینا نہیں چاہتا) ہم کو اپنے پریس کو مضبوط کرنا ہے اور اس کے دائرہ اشاعت کو وسیع سے وسیع تر کرنا ہے۔

مَیں حقائق پسند جماعت کے افراد اور جماعتوں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ

میری آرزو کو صدا بصحرا قرار نہ دینگے

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی میں مسابقت کی توفیق دے۔ ھو نعم المولیٰ و نعم الرفیق۔

خاکسار یعقوب علی عرفانی الاسدی مدیر الحکم
نزیل ربوہ
۳۰ نومبر ۱۹۵۳ء

نصب العین!

رسالہ الفرقان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اور بیگانے قرآن مجید کی حقیقت سے آشنا ہوں، اسکی اعلیٰ تعلیمات سے مستفید ہوں اور اسکی روح پر اور ہدایات کی پابندی کریں۔ غیروں کیلئے بہت سے حجاب ہیں متعدد شبہات اور اعتراضات ہیں انکا ازالہ بھی ضروری ہے۔ اپنوں پر غفلت کے پردے ہیں انکا دُور کرنا بھی لازمی ہے۔ جہانتک مسلمان کہلانیوالوں کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ مَیں قرآن مجید کو مانتا ہوں اور اسے ذریعہ نجات یقین کرتا ہوں لیکن اسکی عملی زندگی میں قرآن مجید کیلئے کوئی جگہ نظر نہیں آتی حالانکہ قرآن کریم انسانی زندگی کے ہر پہلو کیلئے احکام دیتا ہے اور ہر مرحلہ حیات پر رہنمائی کرتا ہے۔

مَیں دیکھ رہا ہوں کہ میدانِ محشر ہے اور پہلے اور پچھلے تمام لوگ جمع ہیں۔ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کو ہاتھ میں لیکر بارگاہِ رب العزت میں عرض کر رہے ہیں یا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔ اے میرے رب! میری قوم نے اس جلیل القدر قرآن کو پس پشت پھینک رکھا تھا۔ منکرینِ اسلام گنگ ہیں۔ ان کے پاس اِس شکایت کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ان پر حجت پوری ہو چکی ہے وہ جہنم کی طرف لیجائے جا رہے ہیں۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہ کہلانیوالے مسلمان بھی مبہوت و حیران کھڑے ہیں جنہوں نے منہ سے قرآن پاک کی حقانیت کا اقرار کیا لیکن عملی طور پر قرآن مجید سے کلی اعراض رکھا۔ یہ بھی مجرم ہیں، ان کے پاس بھی کوئی جواب نہیں، یہ بھی مستحق سزا قرار پا چکے ہیں۔

بھائیو! آخرت کے اِس ہولناک منظر کو سامنے رکھ کر عزم کر لیں کہ ہم نے قرآن مجید کو پڑھنا اور سمجھنا ہے اور اس پر پوری طرح سے عمل پیرا ہونا ہے۔ الفرقان کی اشاعت کا مدعا و مقصد اسی نصب العین کو پورا کرنا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ +

"نیا نظام"

نتیجۂ فکر جناب راجہ نذیر احمد صاحب ظفرؔ

ذرا وہ وقت یاد کر! ✣ تھے ظلمتوں میں بحر و بر
تھے راہبر بھی کور و کر ✣ تو کون تھا؟ او بے خبر!
جو ظلمتوں پہ چھا گیا
جہاں کو جگمگا گیا

جہاں پہ جبکہ رات تھی ✣ اندھیری کائنات تھی
بجھی بجھی حیات تھی ✣ نہ دن کی کوئی بات تھی
تو کون ضو فشاں ہوا؟
کہ جس سے دن عیاں ہوا؟

خزاں براجمان تھی ✣ چمن پہ حکمران تھی
عجب خدا کی شان تھی ✣ بہار بے نشان تھی
گلوں کو گدگدا گیا
کلی کلی کھلا گیا

وہ جہل کی کہاوتیں ✣ وہ نفس کی بغاوتیں
بھد گر عداوتیں ✣ کدورتیں شقاوتیں
گھٹیں تو کس طرح گھٹیں؟
مٹیں تو کس طرح مٹیں؟

"کنارِ[1] گنگ برہمن ÷ جوان و پیر و مرد و زن
صنمکدے میں تھے مگن ÷ تو شدھ کر کے سب کے من
طریق وہ دکھا دیا
کہ باخدا بنا دیا

وہ سر زمینِ پہلوی ÷ چتا میں تھی یوں جل رہی
کہ جیسے کوئی استری ÷ فراقِ یار میں چلی
مگر اُسے بچا لیا
"پتا" سے بھی مِلا دیا

صلیب کی زمین پر ÷ خدا تھے تین[3] جلوہ گر
یہ ظلم و شرک دیکھ کر ÷ تھا چرخ پھٹ چلا مگر
"نیا نظام" آگیا
جو کام سب بنا گیا

تبصرہ

"نماز"

نماز پانچ ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رُکن ہے۔ رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون اور کفر و اسلام میں مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ نے اپنے جدید رسالہ "نماز" میں اسلام کے اس دوسرے بڑے رُکن کے مسائل کو واضح اور عام فہم انداز میں جمع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ کتابی سائز کے سَو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت و طباعت بہت عمدہ ہے البتہ چند اعرابی غلطیاں قابلِ اصلاح ہیں۔ رسالہ مجموعی طور پر نہایت مفید ہے۔ قیمت دس آنہ۔

ملنے کا پتہ:- ادارۃ التجلید - اردو بازار (موہن لال روڈ) لاہور

[1] بند کا یہ حصہ جناب اکمل کا ہے جس میں معمولی تغیر کر لیا ہے۔ ظفر ÷

قرآن مجید اور عذابوں کے بارے میں قانونِ خداوندی

از قلم جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات

{ وہ عذاب جو بمقصد مکذبینِ انبیاء پر نازل ہوئے ۔ موجودہ زمانہ میں بھی غیر معمولی اور ہولناک صورت میں نمودار ہوسکتے ہوں تو قرآن کا اسکے متعلق کیا فیصلہ ہے ؟ }

ابتداء میں انسان (گندم گوں انسان) جنت یعنی خودرو گھنے درختوں کے سایہ میں رہتا تھا۔ بھوک پیاس اور گرمی سردی کی تکالیف سے بچا ہوا تھا۔ بغیر محنت کے درختوں کے پھلوں پر گزارہ کرتا تھا۔ ایک خاص درخت کے نزدیک جانے سے منع کیا گیا تھا جس کو گندم یا انگور یا انجیر کہا گیا ہے۔ اس کو خاص طور پر متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر اس ممنوعہ درخت کا پھل کھاؤ گے۔ جو جنت یعنی خودرو پھل دار درختوں کے کاٹنے اور زمین کو ہموار اور صاف کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو ظالم ٹھہرو گے اور جنت سے نکالے جاؤ گے۔ ایکدوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے اور تکالیف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مگر انسان نے شیطان راندۂ درگاہ ازلی کے بہکانے سے ممنوعہ درخت (گندم) کے پھل کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا جس کے نتیجہ میں وہ تمدن کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ قبضہ کے حقوق اور ذمہ داریاں پیدا ہو گئیں۔ فتنہ اور فساد پیدا ہو گیا۔ تنازعات بڑھ گئے اور حکام کے فیصلوں کی ضرورت پڑ گئی۔ انسان کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر خدا نے اس پر رحم کیا اور بذریعۂ الہام اس کی راہنمائی کی۔ اسکی زندگی بسر کرنے کے طریقے اس کو بتلائے اور آگاہ کیا کہ اب ضرورت کے وقت جبکہ معاشرہ میں فساد واقع ہوگا ہادی تمہارے پاس آیا کرے گا۔ اگر اس کی پیروی کرو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ دکھوں سے محفوظ رہو گے اور خوف و غم تم پر طاری نہیں ہوگا۔ اور اگر اس ہادی کی اطاعت سے انکار کرو گے اور اس کی تکذیب اور تمہید کے ڈیلے

ہو جاؤ گے تو زندگی تمہارے لئے وبالِ جان بن جائے گی۔ تمدن میں فساد اور بدامنی کا دور دورہ ہو جائیگا اور آخر تم جہنم کی آگ کا ایندھن بنو گے۔

(۱) وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

(۱) ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری عورت اس جنت میں سکونت پذیر ہو اور اس سے بافراط جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ۔ اگر جاؤ گے تو ظالم ٹھہرو گے۔ مگر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور اس سکنی سے ان کو محروم کر دیا جس سے وہ بہرہ ور ہو رہے تھے۔ پس ہم نے کہا کہ جنت سے باہر ہو جاؤ۔ اب تم سب ایکدوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے۔ اب زمین ہی میں تمہارا ٹھکانا ہوگا اور ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھاؤ گے۔ پھر آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات القاء ہوئے اور اس پر اس نے

جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ہُدًی فَمَنْ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ (۲/۳۴-تا-۳۶)

رحم کیا۔ کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ رجوع کرنیوالا مہربان ہے۔ ہم نے کہا تم سب اس جنت سے اُتر جاؤ اگر میری طرف سے کوئی ہادی تمہارے پاس آئے تو جو اس کی پیروی کرینگے ان پر کوئی خوف طاری نہیں ہوگا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہونگے۔ اور جو لوگ منکر ہو جائینگے اور ہمارے نشانوں کی تکذیب کریں گے وہ جہنم میں جائینگے۔

(۲) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ۔ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْہَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝ (۷/۳۳)

(۲) اے بنی آدم! جب کبھی تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں۔ جو ہمارے نشان تم کو کھول کر بتلائیں اُس وقت جو لوگ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں گے اور اپنی حالت کی اصلاح کرلینگے اُن پر خوف طاری نہیں ہوگا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن جو لوگ ہمارے نشانوں کا انکار کریں گے اور ازراہِ تکبّر ان سے رُوگرداں ہو جائینگے وہ آتشِ جہنم میں جھونکے جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ (۳) ہم نے کہا اے آدم!

اِنَّ ہٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی ۝ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْہَا وَلَا تَعْرٰی ۝ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْہَا وَلَا تَضْحٰی ۝ (۲۰/۱۱۶)

یہ شیطان تیرا اور تیری عورت کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو جنت سے نکال دے اور تم تکلیف اٹھاؤ۔ دیکھو تجھے اس جنت میں نہ بھوک کی تکلیف ہے نہ پیاس کی۔ یہاں نہ تجھے دُھوپ لگتی ہے نہ تو ننگا رہتا ہے۔

خدا کی یہی سُنّتِ مستمرہ ہے کہ جب کبھی انسان کی بدکرداریوں اور بے راہ رویوں کی وجہ سے معاشرہ میں فساد نمودار ہو جاتا ہے تو وہ اپنا ہادی اور راہنما بھیج دیتا ہے تاکہ لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اپنی زبوں حالت کی اصلاح کرلیں اور بدامنی دُور ہو جائے۔

(۱) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ (دعاء حضرت لوطؑ۔ ۲۹/۲۹) — (۱) لوطؑ نے کہا اے میرے رب! اس مفسد قوم کے مقابلہ پر میری مدد کر۔

(۲) وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ (۷/۷۴) — (۲) زمین میں فساد کرتے ہوئے مت پھرو۔

(۳) وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ (خطاب حضرت صالحؑ جانب قوم خود۔ ۱۱/۸۶) — (۳) زمین میں فساد کرتے ہوئے مت پھرو۔

(۴) فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ مراد قوم حضرت موسیٰؑ (۷/۱۰۱) — (۴) دیکھ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

(۵) اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲/۱۱)

(۵) سن رکھو کہ وہی فساد کرنے والے ہیں۔

(مراد مخالفین پیغمبر اسلام)

لیکن افسوس کہ جب کبھی خدا کے راستباز فرستادے چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ بنی آدم کی اصلاح اور بھلائی کیلئے پیغام حق لیکر آئے انہوں نے نہ صرف ان کی تکذیب کی بلکہ ان کی ہنسی اڑائی اور ان کے ستانے اور دکھ دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

(۱) يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۶/۲۹)

(۱) ان بندوں پر افسوس کہ جو بھی رسول انکے پاس آیا انہوں نے اسکی ہنسی اڑائی۔

(۲) مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (۲/۲۱۰)

(۲) (اسلام سے پہلے جو لوگ انبیاء پر ایمان لائے) ان کو بڑی بڑی مصائب اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور ان کی ہستی کی بنیادیں ہلائی گئیں۔ یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس پر ایمان لائے تھے یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ آہ خدا کی نصرت کب پہنچے گی۔

انبیاء کی مخالفت کرنے والے کون تھے؟ زمانہ کے با اثر، شریر اور وہ متمدین، آسودہ حال اور علماء جن پر عوام کا اعتماد تھا۔ باقی لوگوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے خدا کے فرستادوں کا ساتھ نہ دیا۔

(۱) كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ (۱۱/۴)

(۱) جب نوح نبی کی قوم کے سردار اس کے پاس سے گذرتے تو اس کی ہنسی اڑاتے اور مخول کرتے۔

(۲) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (۷/۶۶)

(۲) ہود نبی کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھ کو بیوقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہمارا پختہ خیال ہے کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔

(۳) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (۷/۷۶)

(۳) صالح نبی کی قوم کے متکبر سرداروں نے کمزوروں میں سے جو اس پر ایمان لائے تھے ان کو کہا کہ کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو پیغام حق وہ لایا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔ متکبرین نے کہا کہ جس پر تمہارا ایمان ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا

(۴) کیا تو نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم کے رب کی ہستی کے بارے میں اسلئے بحث کی کہ اس رب نے اس کو بادشاہی دی تھی ابراہیم نے کہا کہ میرا رب

أُحْيِ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ (۳/۲۶۰)

وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا سورج کو مشرق سے چڑھا لاتا ہے تو مغرب سے چڑھا لا۔ یہ جواب سن کر وہ کافر بادشاہ حیران رہ گیا۔

(۵) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (ع/۸)

(۵) لوط کی قوم کا جواب یہی تھا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو کہ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں۔ (نوٹ) اس آیہ کریمہ سے منکرین کا بااقتدار ہونا ظاہر ہوتا ہے)

(۶) قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا - (ع/۹)

(۶) اُس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تجھ کو اور اُن لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دینگے اگر تم رہنا چاہتے ہو تو ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔

(۷) قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ (ع/۱۰۶)

(۷) فرعون کی قوم میں سے جو سردار تھے انہوں نے کہا کہ یہ موسیٰ بڑا عالم ساحر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم کو ملک سے نکال دے۔ پس تمہاری کیا صلاح ہے۔

(۸) وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ (مراد مخالفین آنحضرت) (۲۳/۵)

(۸) اُن میں سے جو سردار تھے وہ چل پڑے اور کہا کہ چلو اپنے معبودوں کی عبادت میں لگے رہو یہ سوچی ہوئی بناوٹ ہے (اس پر کان نہ دھرو)

(۹) وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ (۲۲/۴)

(۹) جس بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا (رسول) بھیجا اس کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ جو رسالت تم لیکر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ ہمارے پاس مال و دولت اور اولاد بہت ہے، اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

چونکہ ملک کے بااثر اور مقتدر اشخاص انبیاء کے مقابلہ پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کے فاسقانہ اور ظالمانہ تمدن میں تغیر واقع ہو اسلئے انبیاء کی تبلیغ حق میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور غریب لوگ ان ظالموں سے ڈرتے ہوئے نبیوں کا کھلے طور پر ساتھ نہیں دیتے۔ اور بہت تھوڑے لوگ جو دلیر اور نیک فطرت ہوتے ہیں ایمان لاتے ہیں۔ مگر یہ لوگ انواع و اقسام کے مظالم کا تختۂ مشق بن جاتے ہیں اور ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ تب خدا جو ہمیشہ راستبازوں کا حامی اور ناصر رہتا ہے اپنی نصرت کا

زبردست ہاتھ دکھاتا ہے اور ظالموں کو عذاب میں دھر پکڑتا ہے اور ان کو تباہ کر کے نیک کرداروں کو اُن کی جگہ آباد کر دیتا ہے۔ خدا کی یہ سُنت قدیم سے چلی آتی ہے۔

(۱) حضرت نوحؑ کے مخالف سیلابی طوفان سے تباہ ہوئے۔ (۷۱/۲۰ تا ۲۹)

(۲) حضرت ہُودؑ کی قوم ہلاکت آفرین بادِ صرصر سے ہلاک ہوئی۔ (۴۱/۱۵)

(۳) حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوم زلزلہ سے ملیامیٹ ہوئی۔ (۷/۷۶ و ۸۹)

(۴) حضرت لوطؑ کی قوم پر ایسی تباہی خیز تند ہوا چلی کہ اس نے ان پر پتھروں کا مینہہ برسا کر ان کو فنا کر کے رکھ دیا۔ (۱۱/۸۴)

(۵) حضرت موسیٰؑ کی قوم طرح طرح کے عذابوں مثل قحط و رجز یعنی طاعون (منتہی الارب) وغیرہ میں مبتلا رہ کر آخر دریائے نیل میں غرق ہوئی۔

(۷/۱۲۷ تا ۱۳۲)

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے آپؐ کو اور آپ کے متبعین کو عرصہ تک مکہ میں تکالیف اور مصائب میں مبتلا رکھا۔ آخر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور وہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا اور بہت سالاؤ لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کی۔ آخر خداوندِ عالم نے مظلوموں کی مدد کی اور اُنہیں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور جو باقی بچے وہ جلا وطن ہوئے۔ اور انہیں غریب مسلمانوں کو جن کو انہوں نے گھروں سے نکال دیا تھا ان کے گھروں میں آباد کیا۔ یہ عبرتناک واقعہ پیشگوئیوں کے مطابق ظہور میں آیا جو اُس میں کی گئی تھیں جبکہ قلیل التعداد اور کمزور مسلمانوں پر کفار مظالم توڑ رہے تھے۔ (۹/۱۴ و ۵۳ و ۵۴/۴۵ و ۴۴/۹ تا ۱۳ و ۴۸/۲۰ تا ۲۲ و ۱۷/۷۸ و ۵۹/۳)

فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے اور معاشرہ میں فساد اور بےنظمی کے ذمہ دار وہی ہوتے ہیں جو اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے گناہوں اور بدکرداریوں پر قادر ہوتے ہیں۔ غریب طبقہ کے لوگ اپنی کمزوری اور بےسروسامانی کے سبب سے ان کی چیرہ دستیوں کی آماجگاہ بنتے رہتے ہیں اور ان کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتے اسلئے وہ فساد کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ انبیاء کے ذریعہ سے ملک اور قوم کے آسودہ حال اور با اثر طبقہ کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ بد اعمالیوں کو چھوڑ دیں اور راہِ راست پر آجائیں۔ وہ بجائے اس کے کہ خدا کی آواز پر کان دھریں الٹا خدا کے فرستادوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اسلئے وہ عذاب کے مستوجب ہو جاتے ہیں اور نہ صرف خود تباہ ہوتے ہیں بلکہ ان کو بھی ساتھ لے ڈوبتے ہیں جو ان سے ڈر کر یا ان کی راتب پر پلکر انبیاء کا ساتھ نہیں دیتے اور نہ ہجرت کرتے ہیں۔

(۱) وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا (۱۷/۱۷)

(۱) جب ہم کسی لبستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے آسودہ حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں مگر وہ نافرمانی کرتے ہیں اور باز نہیں آتے اور فسق و فجور میں لگے رہتے ہیں تب اس لبستی پر فرد جرم لگ جاتا ہے اور اس کو ہم بالکل ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔

(۲) إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ

وہ لوگ جن کی رُوحیں

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا
فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا
كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ
فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا
اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ
اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا
فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ
مَصِيْرًا ۝ (۴/۹۹)

فرشتوں نے ایسی حالت میں قبض کیں جبکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنیوالے تھے۔ ان سے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کس حالت میں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا خدا کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ ان لوگوں کی جگہ بھی جہنم میں ہی ہوگی جو بُرا ٹھکانا ہے۔

جن بُرائیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے اگلی قومیں تباہ ہوئیں، نہ صرف وہ سب کی سب دورِ حاضر کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ان کے علاوہ کئی قسم کے جرائم اور گناہوں کا دَور دَورہ ہے۔ اگرچہ ابھی تک ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں بُت پرستی بھی پائی جاتی ہے لیکن خدا کی ہستی کا انکار کرنے والے ہر ملک میں اس کثرت سے پیدا ہوگئے ہیں کہ اس کی نظیر اگلے زمانوں میں نہیں ملتی۔ منکرینِ خدا اکثر تعلیم یافتہ لوگ ہیں جن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے یہ بُرائی عام ہوگئی ہے اور خدا کے پرستار بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ بدکاری، زناکاری، چوری، راہزنی، دروغگوئی، فریب، دغا، رشوت ستانی، تغلب، ظلم، بے انصافی، شراب خواری، سے کوئی ملک خالی نہیں ہے۔ انگلستان کے لوگ بلحاظ تعلیم و تہذیب اور دانائی اور حکمت کے سب ممالک سے پیش پیش ہیں۔

اسی ماہ نومبر ۱۹۵۳ء میں ہوس آف لارڈز میں تقریر کرتے ہوئے ۳۸ سالہ وائی کونٹ سموئل نے کہا:۔

"ہمارے بڑے بڑے شہروں میں بداخلاقی اور جُرم کے گھروندے موجود ہیں جو ہماری تہذیب پر بدنما داغ ہیں۔ نوجوانوں کی بدچلنیاں نہایت خوفناک انکشاف ہے۔ جرائم بڑھ گئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنسی بدعنوانیاں ہماری پہلی نسلوں کی نسبت بہت زیادہ ہوگئی ہیں۔ ازدواجی رشتے منقطع ہو رہے ہیں۔ میاں بیوی کی علیحدگیاں بڑھ گئی ہیں۔ ہم نہایت رنج سے دیکھتے ہیں کہ سدوم اور عمارہ کی برائیاں ہمارے درمیان پختہ ہوچکی ہیں۔ اگر وہ بڑھ گئیں اور عام ہوگئیں تو اس کی سزا صرف زلزلے اور آتش زنیاں ہی نہیں ہونگی بلکہ ہمیں اس سے بھی زیادہ سزا بھگتنی ہوگی۔"

جس طرح وہ تمام بُرائیاں جو اگلی قوموں میں مختلف وقتوں میں پائی گئیں جو اس زمانہ میں نمودار ہوگئی ہیں اسی طرح وہ تمام عذاب جو اگلی قوموں پر مختلف وقتوں میں نازل ہوئے اس زمانہ میں بھی ۱۸۹۸ء سے لیکر اب تک برابر نازل ہو رہے ہیں:۔

(۱) ۱۸۹۸ء میں ہولناک طاعون پھوٹی اور کئی سالوں تک پنجاب اور ہندوستان کے بعض مقامات میں تباہی ڈالتی رہی۔

(۲) ۱۹۰۴ء میں کانگڑہ میں تباہی خیز زلزلہ آیا۔ پھر ۱۹۰۵ء میں شمالی ہندوستان میں خوفناک زلزلہ آیا۔ ۱۹۳۴ء میں بہار میں سخت زلزلہ آیا جو قیامت کا نمونہ تھا اور جس کی وجہ سے دریاؤں کا پانی اچھل کر تباہ کن سیلاب بھی آئے۔ جنہوں نے زمین کی ہیئت ہی بدل دی۔ تھوڑا عرصہ ہوا کوئٹہ واقع بلوچستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے بلند و بالا عمارات کو زمین کے ساتھ ہموار کردیا اور بے شمار جانیں تلف

ہوئیں۔ دیگر ممالک میں بھی اس قدر زلزلے آئے اور اس قدر شدت سے آئے کہ ان کی نظیر صفحاتِ تاریخ پر نہیں ملتی۔ حال ہی میں یونان میں زلزلہ آیا جس سے قریباً ۲ لاکھ آدمی بے گھر ہوگئے۔ (نوائے وقت ۱۹/۸/۵۳)

(۳) قریباً ۳۵ سال کا عرصہ ہوا ملک پنجاب میں انفلوئنزا کی ہلاکت آفرین بیماری پھیلی جو بے نظیر تھی اور جس نے بے شمار جانوں کا نقصان کیا۔

(۴) ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء میں حیدر آباد دکن میں تباہی خیز طوفان آیا۔ موسیٰ ندی کا پانی پھوٹ نکلا اوپر سے موسلادھار بارش ہوئی۔ دونو پانی مل کر خونخوار سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ مال و جان کا بہت نقصان ہوا۔ نظام دکن کو اپنے محل چھوڑ کر ایک پہاڑی پر پناہ لینی پڑی۔ ہندوستان کے دریاؤں میں غیر معمولی طور پر سیلاب آرہے ہیں۔ جو بستیوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ پنجاب کے دریاؤں میں بھی کئی سیلاب آئے جو پہلے اس شدت سے کبھی نہیں آئے تھے۔ دو تین سال ہوئے دریائے راوی میں ہولناک طوفان آیا۔ لاہور کے مضافات زیر آب ہوگئے۔ گورنمنٹ کو ملٹری کی مدد لینی پڑی۔

بہار کے دریائے کوسی میں سیلاب آنے کی وجہ سے انتیس ہزار زمیندار بے گھر ہوگئے۔ (نوائے وقت مورخہ ۱۸/۶/۵۳)

دریائے کوسی میں پھر سیلاب آیا جس سے دس لاکھ آدمی بے خانماں ہوگئے۔ نو سو دیہات تباہ ہوگئے اور دس کروڑ روپیہ کا مالی نقصان ہوا۔

(پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۶/۸/۵۳)

صوبہ سندھ میں پچاس ہزار آدمی بھاری بارش اور دریاؤں کے سیلاب کی وجہ سے بے گھر ہوگئے۔

(سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۸/۸/۵۳)

۲/۳/۵۳ کو یو۔پی (ہندوستان) میں اڑھائی سو مربع میل علاقہ زیر آب ہو چکا ہے اور قریباً ایک ہزار مکانات سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں (نوائے وقت ۱/۹/۵۳)

اعظم گڑھ ہندوستان میں علاوہ شہر کے تمام ضلع سیلاب کی زد میں ہے اور دس ہزار مکانات تباہ ہو چکے ہیں۔ (نوائے وقت مورخہ ۲/۹/۵۳)

ٹوکیو (جاپان) کی ۲۸/۹/۵۳ کی خبر ہے کہ گذشتہ چند دنوں میں خوفناک طوفان نے جاپان کے مختلف علاقوں میں جو تباہ کاریاں کی ہیں ان سے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق قریباً سات لاکھ آدمی بے خانماں ہو چکے ہیں اور پانچ سو آدمی ہلاک ہو چکے ہیں (نوائے وقت)

یہ پے در پے عذاب زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ گویا اگلی تباہ شدہ قوموں نے معنوی طور پر اس دنیا میں دوبارہ رجوع کر کے اپنا رنگ روپ دکھا دیا ہے۔

(۱) وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (۲۱/۹۶)

(۱) یہ امر محال ہے کہ جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان کے رہنے والے دوبارہ واپس آئیں۔ مگر جس وقت یاجوج و ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے بہ شتاب اُترنے لگیں گے۔ تو اُن بستیوں کے رہنے والوں کا پھر دنیا میں رجوع ہوگا یہ سچا وعدہ قریب آپہنچا ہے۔ جس وقت یہ وعدہ پورا ہوگا منکروں کی آنکھیں اچانک کھل جائیں گی (وہ حیران رہ جائیں گے) اور کہیں گے کہ ہائے ہماری

کم بختی ہم اس معاملہ میں غافل رہے بلکہ ہم ظالم تھے۔

آیۂ کریمہ مندرجہ بالا میں جو یاجوج و ماجوج کے لفظ آئے ہیں ان کی حقیقت سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل لغوی حوالہ جات کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) الاجیج تلهب النار وصوت النار (تاج العروس)	(۱) اجیج کے معنے ہیں آگ کا شعلہ اور آگ کی آواز۔
(۲) اج فی سیرہٖ اذا اسرع۔ (تاج العروس)	(۲) جب کوئی شخص تیزی سے چلتا ہے تو کہتے ہیں اج فی سیرہ۔ گویا تیزی سے چلنے کو بھی آج کہتے ہیں۔
(۳) أ۔ والیاجوج مشتق من الاج۔ (تاج العروس)	(۳) أ۔ یاجوج اج سے نکلا ہے۔ (یاجوج اسم مبالغہ ہو جس کے معنے آگ سے زیادہ کام لینے والا یا زیادہ تیزی سے چلنے والا ہیں)
ب۔ یاجوج کسیکہ آتش برافروزد و فساد برانگیزد۔ (منتہی الارب)	ب۔ یاجوج آگ جلانے والے مفسد کو کہتے ہیں۔
(۴) ماج البحر اضطرب امواجه والناس یموجون۔ (مختار الصحاح)	(۴) جب سمندر کے پانی کی حرکت سے اس کی موجیں اٹھتی ہیں تو کہتے ہیں ماج البحر۔ اور انسان کے تیز چلنے کو بھی موج کہتے ہیں۔
(۵) وقالوا یجوز ان یکون یاجوج فاعولاً وکذلك ماجوج وهذا لو کان الاسمان عربیان لکان هذا اشتقاقهما۔ (تاج العروس)	(۵) اہل لغت نے کہا کہ جائز ہے کہ یاجوج بروزن فاعول اسم مبالغہ ہو (جسکے معنے آگ سے زیادہ کام لینے والا ہیں) اور ماجوج بروزن فاعول اسم مبالغہ ہو (جس کے معنے سمندر کی موجوں سے بذریعہ جہاز رانی کے زیادہ کام لینے والا ہیں) جبکہ یہ دونو اسم عربی زبان کے ہوں نہ کہ عجمی زبان کے۔
(۶) ویاجوج وماجوج مشتق من اجیج شبهوا بالنار المضطربة والمیاه المتموجة لکثرة اضطرابهم۔ (مفردات راغب)	(۶) یاجوج وماجوج اجیج سے مشتق ہیں۔ بھڑکنے والی آگ اور موجیں مارنے والے پانیوں سے ان کو بوجہ ان کی کثرتِ سفر و حرکت کے تشبیہہ دی گئی ہے۔

ان حوالہ جات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج وہ قومیں ہیں جو آگ سے بکثرت کام لیکر ریلیں، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، طرح طرح کے انجن، موٹریں، آلاتِ حرب اور دیگر ضروری اشیاء تیار کرتی ہیں۔ اور موجیں مارنے والے سمندروں میں جن کی موجیں پہاڑ کی طرح بلند ہوتی ہیں پُرخطر جہاز رانی کرتی ہیں۔ اور وہ اہلِ امریکہ اور یورپ کی قومیں ہی ہو سکتی ہیں۔ اور یہی زمانہ ہے جس میں وہ تمام قسم کی قیود سے آزاد ہو گئی ہیں اور بسبب کثرتِ زر و مال و سامانِ حرب کے اس قدر مستحکم ہو گئی ہیں کہ دنیا کی کوئی اور قوم ان کا لگا نہیں کھا سکتی۔ بلکہ سب دیگر اقوام ان کی دستنگر اور محتاج ہیں۔

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝

تباہ شدہ قومیں اُس وقت دُنیا میں اپنا دوبارہ روپ دکھائیں گی جبکہ یاجوج وماجوج اوجِ ترقی پر ہوں گے۔ اور ہر فن میں جو دنیوی بلندی اور رفعت کا موجب ہو سکتا ہے کمال پیدا کریں گے اور پس ماندہ اور کمزور قوموں سے اپنے کمال اور ہُنر کی قیمت وصول کر کے مالا مال ہو جائینگے۔ ہر بلندی سے ہر معمولی بلندی مراد لینا بے معنی ہے بلکہ ہر بلندی سے وہ خاص بلندی مراد ہے جو اپنی شان میں نرالی اور اُس پہ پہنچ کر نیچے اُترنے والوں کو ممتاز کرتی ہو اور اُن کے علاوہ دیگر اشخاص وہاں تک پہنچنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔ ہر بلندی سے اُن کے دوڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہوائی جہازوں اور طیاروں کے ذریعہ سے آسمان کی بلندیوں پہ پہنچ کر چھتریاں تان کر بڑی تیزی سے نیچے اُتریں گے۔

دُنیا میں سب سے بڑی اونچی چوٹی کوہ ہمالیہ کی ماؤنٹ ایورسٹ تھی اس پہ بھی انگریزوں کی مہم ۲۹ ۵/۵۳ کو پہنچ گئی۔ آسٹریا کی مہم نانگا پربت کی ۲۶۶۶۰ فٹ کی بلندی پہ ۴ ۷/۵۳ کو پہنچ گئی۔

اور بھی دُنیا کی کئی بلند چوٹیوں پر پہنچنے کی یہ لوگ لگاتار کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ چاند پہ پہنچنے کے سامان مہیا کر رہے ہیں۔

ہلاک شدہ بستیوں کے واقعی طور پر دوبارہ زندہ ہو جانے کے معنے لینا منطوقِ قرآن کے خلاف ہے۔

(۱) ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (۲۳/۱۵)

(۱) اس کے بعد تم مرجاؤ گے۔ اور مرنے کے بعد پھر بروز قیامت اٹھائے جاؤ گے۔

(۲) فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (۳۹/۴۲)

(۲) جن رُوحوں کو خدا موت کے وقت قبض کرتا ہے اُن کو روکے رکھتا ہے اور دوبارہ دُنیا میں نہیں بھیجتا۔ اور جن رُوحوں کو نیند کے وقت قبض کرتا ہے اُن کو ایک مقررہ میعاد کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔

اسلئے مجازی معنے ہی لینے پڑیں گے یعنی ہلاک شدہ بستیوں کے باشندوں جیسے لوگ اُس وقت نمودار ہو جائیں گے جبکہ یاجوج وماجوج اوجِ ترقی پر ہوں گے۔ اسلئے ضروری تھا کہ نبیوں کا نمائندہ بھی ایسے وقت میں خدا کی قدیم سُنّت کے مطابق ظاہر ہوتا۔ سو وہ ظاہر ہو گیا اور وہ حضرت اقدس مرزا غلام احمدؑ قادیانی ہیں جنہوں نے مرض طاعون کی اشاعت کی خبر قبل از وقت بذریعہ اشتہار مورخہ ۶؍فروری ۱۸۹۸ء کو دی اور لوگوں کو تائب ہونے کی تلقین کی۔ کانگڑہ کے زلزلہ کی خبر ۱۹۰۴ء میں شائع کی۔ شمالی ہندوستان کے زلزلے کی پیشگوئی جو ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کو آیا فروری ۱۹۰۵ء میں کی۔ ۱۴؍مارچ ۱۹۰۶ء کو پانچ تباہی خیز زلزلوں کی پیشگوئی کی۔ اپنے اشتہار مورخہ ۲۱؍اپریل ۱۹۰۵ء میں زلزلہ اور سیلاب کی خبر اِن اشعار میں دی ؎

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے
جو خبر دی وحیٔ حق نے اُس سے دل بیتاب ہے
زلزلہ سے دیکھتا ہوں مَیں زمیں زیر و زبر
وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے
ہے سرِ راہ پہ کھڑا نیکوں کے وہ مولا کریم
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے
کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اِس سَیل سے
حیلے سب جاتے رہے اک حضرتِ توّاب ہے

یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ اس زمانہ میں وہ سب عذاب آئے جو انبیاء کی منکر قوموں کی تباہی کا موجب ہوئے تھے۔ خدا کی سُنّت یہی ہے کہ وہ عذاب نازل نہیں کرتا جب تک اپنے کسی فرستادہ کو بھیجکر بدکرداروں کو بدیوں سے باز آنے کی تنبیہہ نہیں کر لیتا۔

(۱) وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (۲۶/۲۰۹-۲۱۰)

(۱) کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم نے ہلاک کیا ہو اور اس کے پاس نصیحت کے لئے ڈرانے والے (رسول) نہ آئے ہوں۔ کیونکہ ہم ظالم نہیں ہیں۔

(۲) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (۱۷/۱۶)

(۲) اور ہم دُنیا میں عذاب نازل نہیں کیا کرتے جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

(۳) وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (۱۷/۶۰)

(۳) ہم روزِ قیامت سے پہلے ہر بستی کو یا تو ہلاک کریں گے یا سخت عذاب میں گرفتار کریں گے۔ یہ بات ہماری کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔

خدا کے فرستادہ کی جو دینِ اسلام کی تائید کے لئے آیا اور جس نے اپنا یہ کھلا الہام شائع کیا کہ والخیر کُلّہ فی القرآن (ہر قسم کی بھلائی قرآن میں موجود ہے) اور جس نے صاف اعلان کیا۔

ع

ہست قرآں آفتابِ علم دیں
تا برندت از گماں سُوئے یقیں

ہست قرآں از خدا حبل المتیں
تا کشندت سُوئے ربّ العالمیں
ہست فرقاں روزِ روشن از خدا
تا دہندت روشنیٔ دیدھا

(براہین احمدیہ)

رہبرِ ما سیّدِ ما مصطفٰے است
آنکہ نہ دیدست نظیرش سروش
آنکہ خدا مثلِ رخش نا فرید
آنکہ رہش مخزنِ ہر عقل و ہوش

(اشتہار ۷ مارچ ۱۸۹۴ء)

اس کی سب سے زیادہ مسلمانوں نے مخالفت کر کے اپنی ناشکری کا ثبوت دیا۔ جبکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اسلام کا جری پہلوان تمام مذاہب کے پیروؤں کے مقابلہ پر جو اپنے علم و دانش سے اسلام کو کچل کر رکھ دینا چاہتے تھے بنیانٌ مرصوص کی طرح عمر بھر کھڑا رہا اور اُن کو دندان شکن جواب دیتا رہا اور قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح ثابت کرتا رہا۔ اور اِس امر کو مخالف اور موافق سب تسلیم کرتے ہیں ✦

عذاب آنے کا سبب!

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پُوچھو غافلو!
ہو گئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن
غیر کیا جانے کہ غیرت اسکی کیا دکھلائے گی
خود بتائے گا انہیں وہ یار بتلانے کے دن

(حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

قرآن مجید کے رُو سے قومی ترقّی کے گُر!

(جناب سید محمود احمد صاحب ناصر فاضل پسر حضرت سید میر محمد اسحاق صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ)

مضمون کے لئے آپ کا اصرار آمیز خط ملا۔ میں آجکل ایک امتحان کی تیاری میں مصروف ہوں اور زکام کی تکلیف سے بیمار ہوں اسلئے آپ کے تجویز کردہ عنوان پر مفصل مضمون لکھنے کے بجائے مجمل طور پر اصولی اشارات تحریر کر رہا ہوں مفصل پھر کبھی موقع ملنے پر لکھوں گا۔ انشاء اللہ

۱۔ قومی ترقی کے لئے تنظیم اور اتحاد و اتفاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور کوئی قوم اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب اس کے افراد وحدت اور تعاون بلکہ باہمی اخوت و شفقت اور محبت کے رابطہ میں منسلک ہوں۔ چنانچہ قرآن شریف کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ اس کی تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک بدن کے اعضاء کے طور پر قرار دیا ہے اور فرمایا ہے لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ ما یحبّ لنفسہ۔

۲۔ امام کی مکمل اطاعت کے بغیر قوم کا بام عروج تک پہنچنا ناممکن ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کانّ رأسہ زبیبۃ۔ (بخاری)

۳۔ امام کے ارشادات کی پوری اطاعت کے ساتھ ساتھ قومی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر قومی مسائل میں دلچسپی لے اور اس کا دماغ ان مسائل کا حل تلاش کرے۔ قومی سرگرمیوں سے اسے گہرا لگاؤ ہو اور وہ اپنی ذات پر بھی اسکی ذمہ داری محسوس کرے اس کے لئے قرآن شریف نے یہ ارشاد فرمایا ہے وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ صحابہؓ سے اجتماعی طور پر مشورہ لینے کے علاوہ گھروں میں آنے جانیوالی خواتین سے بھی مشورہ فرمالیا کرتے تھے۔

۴۔ کسی انتہائی مقصد اور نصب العین کا وجود قومی ترقی میں اسراع کا موجب ہوتا ہے قوم کے سامنے کوئی آخری منتہٰی ہونا چاہیئے جس کو حاصل کرنے کیلئے وہ پوری سرگرمی سے جدوجہد کرے۔ قرآن شریف نے مسلمانوں کیلئے دو مقصد پیش کئے ہیں۔ ایک قوم کی اجتماعی سرگرمیوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا قوم کے افراد کی ذاتی جدوجہد سے۔ اجتماعی مقصد یہ ہے کہ اسلام کی پاک تعلیم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلائی جائے اور انفرادی مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان اگلے جہان میں خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو۔ ان دونو مقاصد کے گرد قرآن شریف اور احادیث کی ساری تعلیم گھومتی ہے۔

۵۔ کسی قوم میں تعظیم و تکریم کا معیار اسکے افراد کی عملی جدوجہد پر بہت گہرا اثر ڈالتا ہے جس سوسائٹی میں جو چیز بھی عزت کا باعث سمجھی جاتی گی وہی افراد کی جدوجہد کا مقصود بنے گی۔ قرآن شریف پر عمل کرنے والی قوم کے لئے ضروری ہے کہ اس میں

بڑا ہو چلائی جائے کہ معزز وہی ہے جو نیک ہے۔ دولت اور عمدہ لباس مفید چیزیں تو ہیں مگر معیارِ عزت نہیں۔ معیارِ عزت اچھے اخلاق اور ایمان ہے۔ ذات پات اور خاندان کی بڑائی کو کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ قرآن شریف کا ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ یا رسول اللہ من اکرم الناس؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اتقاھم۔

۶۔ اِس سلسلہ میں یہ امر بھی ضروری ہے کہ قوم کی کلیدی آسامیوں پر افراد کی تقرری ذاتی و خاندانی اور دوسرے مفاد سے بالا ہو کر محض نیکی اور مصلحت کی بناء پر ہو۔ قومی ارتقاء میں اس امر کو اہم مقام حاصل ہے۔ قرآن شریف کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امراء کی تقرری کے بارے میں اسکا خاص خیال رکھتے تھے کہ نیک، سمجھدار اور مناسب لوگوں کو عہدے دیئے جائیں۔ ایک امارت کی تقرری کی درخواست کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔
انا واللہ لا نولی ھذا العمل احداً سالہ او احداً حرص علیہ۔

۷۔ قومی ارتقاء میں امام کی شخصیت کو جو مقام حاصل ہے اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ قوم کو امام کے ساتھ اطاعت ہی نہیں بلکہ ادب کا تعلق ہو۔ کیونکہ اسی صورت میں کامیابی اور سہولت کے ساتھ قوم کو ترقی کی منازل کی طرف لیجا سکتا ہے جب قوم میں اس کا ادب و احترام پایا جاتا ہو۔ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔
یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔
یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف شرف کبیرنا فلیس منا۔

۸۔ ظاہر ہے کہ قربانی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ جس طرح بھٹی جلانے والا بے دریغ سوکھے پتے بھٹی میں جھونکتا چلا جاتا ہے اسی طرح قوم کے جوانوں کو قربانی کی بھٹی میں بے دریغ جھونکنے سے ہی قوم بامِ ارتقاء تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر جس قوم میں یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کی عمدہ خبر گیری اور پرورش کا انتظام ہوگا اس قوم کے افراد نڈر ہو کر قربانی دے سکیں گے کیونکہ انہیں اپنے پسماندگان کے متعلق ایک اطمینان ہوگا۔ پس قومی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ یتامیٰ و بیوگان کی اعلیٰ درجہ کی پرورش کا انتظام کیا جائے۔ اور اس امر پر قرآن شریف میں بار بار زبردست اصرار کیا گیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو نہایت زور دار الفاظ میں اس اہم امر کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ خود اپنا نہایت شاندار عملی نمونہ ہمارے لئے قائم فرمایا ہے۔ اللّٰھم صلّ علےٰ محمدٍ وعلےٰ آل محمدٍ وبارک وسلّم۔

قرآن مجید کے مفسّرین اور اُن کے مختصر حالات

(از جناب مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب پروفیسر جامعة المبشرین ربوہ)

قرآن مجید ایک ایسے ضابطۂ حیات پر مشتمل ہے، جس میں شریعت، اخلاق اور تمدن کے قوانین کو مکمل طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اب کسی اور ضابطۂ حیات کی ضرورت نہیں۔ دنیا بدل جائے لیکن قرآن مجید کے اصول ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ وہ ایک ایسا پاک درخت ہے جو ہر زمانے کی ضرورت اور حالات کے مطابق پھل دیتا چلا جائے گا۔ بظاہر اس کے الفاظ مختصر ہیں لیکن ان الفاظ میں مطالب کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کا اسلوب بیان اس قسم کا ہے جیسے کوزہ میں دریا بند کر دیا جائے۔

چونکہ قرآن مجید کے الفاظ اپنے اندر وسیع مطالب رکھتے ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس کے مضامین اور حقائق سے پردہ اٹھایا جائے اور ان بیش قیمت ہیروں، موتیوں اور جواہرات سے لوگوں کو مالا مال کیا جائے جو اس کے خزانوں میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کیا کہ وہ اس کلام پاک کی تفسیر بیان کریں۔ سو ہر زمانے میں کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے قرآن مجید کی تشریح کرنے کی سعادت حاصل کی۔ تیرھویں صدی کے وسط تک جس قدر تفاسیر کا علم شائقین کو ہو سکا ان کی تعداد ۱۶۱[۱] بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے متعلقہ علوم پر جو سینکڑوں کی تعداد میں کتب تحریر کی گئیں اور وہ کتب تفسیر جو قلمی تھیں اور شائع نہ ہو سکیں یا ضائع ہو گئیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ پھر ان تفاسیر میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر "ذات بهجة" پانچ سو جلدوں میں اور تفسیر القزوینی تین سو جلدوں میں اور کتاب الاستغناء ایک ہزار جلدوں میں اور تفسیر انوار الفجر اسّی جلدوں میں لکھی گئی۔

پھر چونکہ اس کامل کتاب میں تاقیامت دنیا کے لئے ہادی بننا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرما دیا کہ ایسے لوگ دنیا میں وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہیں جن کا اس ذاتِ باری سے تعلق ہو جس نے اس پاک کتاب کو نازل کیا ہے اور جو اس کے صحیح مفہوم کو جانتا ہے۔ تا یہ آسمانی لوگ چشمۂ صافی سے پانی حاصل کر کے دنیا کو سیراب کریں۔ اور جو غلطیاں کتاب پاک کی تشریح میں واقع ہوئی ہوں ان کو واضح کر دیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا۔ اور آپ کے ذریعہ قرآن مجید کی ہادیانہ شان اور اس کے اعجاز کو ظاہر کیا اور پھر آپ کی نسل سے حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کو روح القدس سے کھڑا کیا اور ان کے ذریعہ سے قرآن مجید کے صحیح مطالب سے دنیا کو آگاہ کیا۔

۱؎ تاریخ القرآن مصنفہ قاضی عبدالصمد صاحب صفحہ ۱۱۸

پس ہر زمانے میں اِس کتاب کی شان ظاہر ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی آشکارا ہوتی رہے گی۔ ذیل میں ہم اِن لوگوں کا اختصاراً ذکر کریں گے جنہوں نے اس باغ کے پھلوں اور پھولوں کو چُن کر دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام لوگوں پر رحمت نازل کرے جنہوں نے نیک نیتی سے اپنی عمروں کو کلامِ پاک کی خدمت میں صرف کر دیا۔ اور ہم یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحم فرمائے اور اپنے پاک کلام کے خادموں میں سے بنائے۔ وباللہ التوفیق۔

مفسّرِ اوّل

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امّی پر جوں جوں قرآن مجید نازل ہوتا حضورؐ نہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ کو لوگوں تک پہنچاتے اسے لکھواتے اور یاد کرواتے بلکہ حکم ... وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝ (نحل آیت ۴۴) کے مطابق اسے مناسب تشریح اور تفصیل کے ساتھ سمجھاتے۔ اسلئے قرآن مجید کے سب سے پہلے مفسّر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور قرآن کریم کی سب سے پہلی تفسیر احادیث رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ احادیث کا تعلق آیاتِ قرآنی سے ہی ہے اسلئے احادیث کا ہر مجموعہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ترتیب دیتے وقت یہی طریق اختیار کیا ہے کہ احادیث کے بیان کرنے سے پہلے وہ آیت لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی روایت کردہ احادیث آیت بیان کردہ کی تشریح ہیں۔

صحابہ کرامؓ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس سورج سے روشنی حاصل کی جس نے ساری دُنیا کو منوّر کر دیا اور پھر خود اِس قابل ہوئے کہ دُنیا کو منوّر کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ چنانچہ ان ستاروں نے کتاب پاک کے نور کو خاص طور پر پھیلانے کی پوری کوشش کی اور جو صحابہؓ اِس بات میں پیش پیش تھے اُن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

خلفاء اربعہ۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ پہلے تین خلفاء سے بہت کم روایات مروی ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تفسیر میں بہت کچھ روایات ہیں۔ آپؓ خود بھی اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سلونی عن کتاب اللّٰہ فو اللّٰہ ما من اٰیۃٍ الّا و انا اعلمُ بلیلٍ نزلت ام بنہارٍ ام فی سھلٍ ام فی جبلٍ۔ کہ اے لوگو! مجھ سے قرآن مجید کی آیات کے متعلق دریافت کرو تو میں تمہیں بتاؤں گا۔ مجھے ہر ایک آیت کے متعلق علم ہے کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو اور کہاں نازل ہوئی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود جو خود بھی عالم قرآن تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ انّ القراٰن انزل علیٰ سبعۃ احرف ما منھا الا و لہٗ ظھر و بطن و انّ علیّ ابن طالب عندہٗ منہ الظاھر و الباطن۔ کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور حضرت علیؓ وہ شخص ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہر دو علم عطا کئے ہیں۔

خلفاء اربعہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام میں عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابوموسی اشعریؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ مشہور ہیں۔ اور ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمیٰؓ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے مسلمان تھے۔ گویا

آپؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے لیکر آخری وقت تک آنحضرت سے فیض حاصل کیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! چار آدمیوں سے قرآن مجید کا علم سیکھو۔ اور ان میں عبداللہ بن مسعودؓ کا نام بھی لیا۔

حضرت عمرؓ ان کو خزینۃ العلم کہا کرتے تھے چنانچہ آپؓ نے ان کو کوفہ میں معلم اور قاضی بھی مقرر کیا تھا۔ آپؓ کے متعلق روایت آتی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ والذی لا الٰہ غیرہ ما نزلت من آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ الا وانا اعلم فیمن نزلت واین نزلت ولو اعلم مکان احد بکتاب اللہ منی تنالہ المطایا لاتیتہ۔ خدا کی قسم قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں اُتری مگر مجھے خوب علم ہے کہ کہاں اُتری اور کس کے بارے میں اُتری۔ اور اگر مجھ سے بڑھ کر کوئی اور کسی جگہ اس بات کو جاننے والا ہوتا تو میں اس کے پاس پہنچتا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی قرآن مجید کی تفسیر میں کثرت سے روایات ہیں۔ آپؓ ہجرت سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ اور گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کم سن تھے لیکن انہوں نے باوجود کم سنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دُعا فرمائی کہ اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔ اللّٰھم آتہ الحکمۃ۔ اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما کہ وہ اس کو صحیح طور پر سمجھیں اور صحیح طور پر بیان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپؓ کو دین کا علم بھی دیا اور آپؓ نے اسکو خوب اچھی طرح پھیلایا۔ آپؓ کو سلطان المفسرین، ترجمان القرآن اور حبر الامت کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؓ کو صحابہ کرامؓ میں سے سب سے بڑے مفسر کہا جاتا ہے۔

آپؓ کے متعلق تفسیر فتح البیان میں ایک روایت آتی ہے۔ قال الاعمش عن ابی وائل استخلف علیؓ عبد اللہ بن عباس علی الموسم فخطب الناس فقرأ فی خطبتہ سورۃ البقرۃ وفی روایۃ سورۃ النور ففسرھا تفسیرا لو سمعتہ الروم والترک والدیلم لاسلموا۔ کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو امیر حج مقرر فرمایا۔ آپؓ نے وہاں سورۃ بقرہ یا سورۃ نور کی آیات پڑھ کر ایسی تفسیر کی جو غیر مسلم اگر سن پاتے تو ان کو قرآن مجید کی حقانیت کے اعتراف کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

تابعین

تابعین میں سے مشہور مفسر ہیں علقمہ۔ اسود۔ مسروق۔ قیس بن ابی حازم۔ مجاہد۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ طاؤس بن کیسان۔ عطاء بن ابی رباح ہیں۔ پہلے چار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہیں اور علماء کوفہ کے نام سے مشہور ہیں اور باقی پانچ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور علماء مکہ کے نام سے مشہور ہیں۔

عہد خلافت راشدہ میں حسب ذیل ۴ تفاسیر لکھی گئیں۔ تفسیر ابی۔ تفسیر عباس (ابن عباسؓ) تفسیر سعید بن جبیر۔ آخری تفسیر حسب فرمائش خلیفہ عبدالملک بن مروان لکھی گئی جو شاہی خزانہ میں رہی اور عطاء ابن دینار کے ہاتھ آگئی اور ان کے نام پر مشہور ہوئی۔

تفسیر ابن جریر

تابعین کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے ایسی کتب لکھیں جن میں اقوال صحابہ اور تابعین جمع کئے۔ حتی کہ چوتھی صدی ہجری میں عظیم الشان تفسیر "ابن جریر" لکھی گئی جس کی گیارہ جلدیں اور تیس حصے ہیں۔ تفسیر ابن جریر کے لکھنے والے

محمد بن جریر بن یزید الامام ابو جعفر الطبری بغدادی ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۲۴ سنہ ہجری میں اور وفات ۳۱۰ سنہ ہجری میں ہوئی۔ ابن جریر نے تفسیر کے علاوہ تاریخ کی مشہور کتاب بھی تصنیف کی جس کو آج تک شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اگر ان کی تصانیف کو دیکھا جائے تو ان کی عمر کے لحاظ سے ان کے روزانہ چودہ صفحات لکھے ہوئے بنتے ہیں۔

ابن جریر کی تفسیر میں روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعین کی آگئی ہیں۔ اسی طرح ایک حد تک لغت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ بہرحال جامع اور نہایت عمدہ تفسیر ہے۔

تفسیر کشاف

ابن جریر کے بعد جو تفاسیر لکھی گئیں ان میں سے ایک مشہور اور مستند تفسیر کشاف ہے۔ کشاف کے مصنف علامہ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری ہیں۔ آپ ۴۶۷ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۵۲۸ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہے اور وہاں رہنے کی وجہ سے "جار اللہ" کا لقب پایا۔ نہایت معتبر عالم اور لغت عربی کے ماہر تھے۔ آپ نے کثرت سے تصانیف کی ہیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور ادب عربی کی ہیں۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ معتزلی تھے لیکن پھر بھی ان کی کتاب نے مقبولیت عام حاصل کی۔ چنانچہ کئی مصنفین نے اس کے متعلق کتب لکھی ہیں۔ بعض نے اس کی شرح کی ہے۔ بعض نے اس پر حواشی لکھے ہیں اور بعض نے اس کا خلاصہ نکال کر پیش کیا ہے۔

تفسیر رازی

ساتویں صدی میں جو تفاسیر لکھی گئیں ان میں سے مشہور حسب ذیل ہیں:۔

تفسیر رازی۔ تفسیر ابن العربی۔ تفسیر قرطبی۔ انوار التنزیل المعروف بہ تفسیر بیضاوی۔

تفسیر رازی (جس کا نام مفاتیح الغیب ہے) کے مصنف امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی ہیں۔ آپ کی وفات ۶۰۶ سنہ ہجری میں ہوئی۔ آپ نے سورۃ انبیاء تک تفسیر لکھی لیکن پھر وفات کا وقت آگیا۔ بعد ازاں شیخ نجم الدین احمد بن محمد متوفی ۷۷۷ سنہ نے اس کو مکمل کیا۔ امام رازیؒ نے جس زمانہ میں تفسیر لکھی اس وقت اسلام پر علوم عقلیہ کی رو سے اعتراض ہو رہے تھے۔ چونکہ آپ کو خدا نے ذہن رسا دیا تھا اور آپ بڑے بھاری مناظر تھے اسلئے آپ نے مروجہ علوم کو مدنظر رکھ کر تفسیر لکھی اور اسلام پر جو اعتراض کئے جاتے تھے ان کا رد کیا۔ جس زمانہ میں یہ تفسیر تصنیف ہوئی اگر اس زمانہ میں ایسی تفسیر نہ لکھی جاتی تو ہزاروں مسلمان اسلام کو خیر باد کہہ دیتے۔ امام رازیؒ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے بروقت بند باندھ دیا۔ امام صاحب بہت بڑے عالم تھے خوارزم میں معتزلہ کے ساتھ مناظرات کیا کرتے تھے۔ عربی اور فارسی زبان میں وعظ و نصیحت کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کو امام المتکلمین کہا جاتا ہے۔ اس تفسیر کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

تفسیر ابن العربی

محی الدین محمد بن علی بن احمد المعروف بشیخ اکبر کی تصنیف ہے۔ آپ کی پیدائش ۵۶۱ سنہ ہجری میں ہوئی اور وفات ۶۳۸ سنہ ہجری میں۔ آپ کی تفسیر اپنے اندر بہت سے عجائبات رکھتی ہے اور آپ نے متعدد آیات کی تفسیر میں "مسیح موعود" کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ تفسیر کے علاوہ ان کی تصانیف میں سے فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم مشہور ہیں۔

تفسیر القرطبی

تفسیر قرطبی امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن یوسف القرطبی کی تصنیف ہے۔ آپ ۵۰۱ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے مفسر تھے۔ آپ کی کتاب پندرہ جلدوں میں ہے۔ آپ نے اس میں فقہی امور کو بیان کرنے میں زیادہ توجہ کی ہے۔ متعدد تفاسیر میں اس کتاب کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

تفسیر بیضاوی

تفسیر بیضاوی امام ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علی الشیرازی البیضاوی کی تصنیف ہے۔ آپ شیراز کے قاضی تھے۔ آخر میں ترک منصب کر کے شیخ محمد بن تختان کی خدمت میں رہے اور انہی کے ایماء سے تفسیر لکھی۔ امام بیضاوی نے اپنی تفسیر کے لئے تفسیر کشاف کو بطور بنیاد کے استعمال کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی کتاب کو بہت قبولیت عطا کی اور یہ کتاب دنیا میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔ اس کتاب پر اکتیس ۳۱ تعلیقات اور بائیس حواشی لکھے گئے ہیں۔ بعض علماء نے ان کی تفسیر کی تلخیص بھی کی ہے۔

تفسیر بحر محیط

یہ تفسیر شیخ اثیر الدین ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی کی تصنیف ہے جو ۷۴۵ سنہ ہجری میں فوت ہوئے۔ یہ تفسیر دس ۱۰ جلدوں میں ہے۔ انہوں نے اپنی اس تفسیر کو دو جلدوں میں مختصر کر کے بھی لکھا ہے اور اس کا نام النہر الماد من البحر رکھا۔

ان کی تفسیر نہایت عمدہ ہے۔ پہلے لغت کی تشریح کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے سُوَر کی ترتیب کو بیان کیا ہے۔

ابن کثیر

یہ کتاب امام ابو الفداء عماد الدین اسمٰعیل بن عمر بن کثیر القرشی کی تصنیف ہے۔ آپ شافعی المذہب تھے اور آپ نے دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں سے مشہور ابن عساکر اور حافظ ابن تیمیہ ہیں۔ ۷۰۰ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۷۴ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی کتاب دس جلدوں میں ہے اور ابن جریر کے بعد یہ دوسری ایسی کتاب ہے جس میں آیات قرآنیہ کی تشریح میں احادیث اور آثار کو بالالتزام بیان کیا گیا ہے اور ان پر حسب ضرورت جرح بھی کی گئی ہے۔

تفسیر جلالین

یہ کتاب شیخ جلال الدین محمد ابن احمد محلی متوفی ۸۶۴ سنہ ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ابھی سورۃ الاسراء تک لکھی گئی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا۔ بعد ازاں اس کی تکمیل امام جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ سنہ ہجری نے کی۔ یہ تفسیر مختصر ہے۔ چنانچہ اس کے حروف سورہ مزمل تک قرآن مجید کے حروف کے برابر ہیں۔ بوجہ مختصر اور علمی ہونے کے یہ تفسیر بہت مقبول ہوئی ہے اور درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ بغیر دماغ کو تشویش میں ڈالے آسان طرز سے آیت کا مفہوم بیان کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کے بہت سے حواشی اور شروح لکھی گئی ہیں اور اس کا نام جلالین اسلئے رکھا گیا کہ دو ایسے شخصوں نے اس کو لکھا جن کے نام میں لفظ جلال آتا ہے۔

الدر المنثور

در منثور امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ سنہ ہجری کی تصنیف ہے۔ سیوط علاقہ مصر میں ایک جگہ ہے اور اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے سیوطی کہلاتے ہیں۔ علامہ سیوطی بہت بڑے عالم اور کثیر تصانیف کے مصنف تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی پانچسو تصانیف ہیں۔ جن میں سے ۸۹ کتب صرف فن حدیث پر ہیں۔ ان کی کتابوں میں سے اتقان فی علوم القرآن نہایت ہی مشہور کتاب ہے۔ جس میں

اسمی علوم القرآن پر بحث کی گئی ہے۔ درمنثور میں بھی ابن جریر اور ابن کثیر کی طرح احادیث اور روایات کو زیادہ مدنظر رکھا گیا ہے۔

فتح القدیر یہ کتاب امام محمد بن علی بن محمد شوکانی یمنی کی تصنیف ہے جو ۱۱۷۲ سنہ ہجری میں شوکان میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ آپ نے تفسیر قرطبی، بیضاوی اور کشاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ قرطبی کے اکثر حوالجات دیئے جاتے ہیں۔ اسی کتاب کو نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال نے ۱۳۰۲ سنہ ہجری میں فتح البیان کے نام سے موسوم کر کے شائع کیا۔

روح المعانی یہ کتاب چودھویں صدی ہجری کی مشہور تصنیف ہے۔ اسکے مصنف علامہ محمود آلوسی بغدادی ہیں جو ۱۲۷۰ سنہ ہجری میں فوت ہوئے۔ یہ کتاب ۹ جلدوں میں اور تیس ۳۰ حصص میں ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں پہلی تفاسیر کو مدنظر رکھا ہے۔ لغت روایات اور مطالب میں سے ہر ایک کو بیان کیا ہے کئی ایک مقامات پر امام رازیؒ پر جرح کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب ایک خواب کی بناء پر لکھی جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ چونکہ یہ تفسیر آخر میں لکھی گئی ہے اسلئے **نہایت عمدہ معلومات** پر مشتمل ہے۔

تفسیر المنار یہ کتاب الشیخ محمد رشید رضا المصری کی تالیف ہے جس میں آپ نے اپنے استاد الشیخ مفتی محمد عبدہ کے دروس کو مدنظر رکھا ہے۔ مفتی محمد عبدہ السید جمال الدین افغانی کو بھی ملے ہیں جو حنفی مدرسہ خیال سے تعلق رکھتے تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ تفسیر المنار مکمل نہیں بلکہ سورہ یوسف کی آیت توفنی مسلماً تک ہے۔

تفسیر الجواہر مصنفہ علامہ طنطاوی مصری۔ یہ تفسیر بیس ۲۰ جلدوں میں ہے۔ نہایت بسیط ہے اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ ہر مضمون کو کھول کر بیان کریں۔

خزینۃ العرفان جیساکہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ تیرھویں صدی کے وسط تک جو تفاسیر لکھی گئیں ان کی تعداد ۱۱۶۱ بتائی جاتی ہے۔ میں نے ان تفاسیر میں سے صرف چودہ کو گنا ہے۔ موجودہ زمانہ کی تفاسیر کے علاوہ جو پہلے زمانہ میں تفاسیر لکھی گئیں وہ سب ایسے وقت میں لکھی گئیں جبکہ ابھی علم جغرافیہ اور سائنس نے ترقی نہ کی تھی۔ اسی طرح سے بائیبل اور انجیل کے نسخے اتنی کثرت سے نہ ملتے تھے جتنے کہ اب۔ اسی طرح سے اقوام کے متعلق انکشافات نہ ہوئے تھے۔ اسلئے گو مفسرین نے احتیاط کی لیکن بہت کچھ امور ایسے لکھے گئے جو اس زمانہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتے بلکہ قابل اعتراض ہیں۔ سو اس زمانہ میں اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیر موجودہ زمانے کے حالات اور علوم کو مدنظر رکھ کر لکھی جائے اور پہلے مفسرین نے جہاں جہاں غلطیاں کی ہیں ان کی اصلاح کی جائے نیز اب یورپ کی طرف سے قرآن مجید پر جو اعتراضات ہوئے ہیں ان کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ قرآن مجید ہی کامل کتاب ہے اور اسی کے بتائے ہوئے اصولوں کو مان کر دنیا میں جنت اور آخرت میں نجات مل سکتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود بنا کر بھیجا تا اسلام کی فوقیت کو ثابت کیا جائے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کی تردید ہو۔ اور مسلمانوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی اصلاح ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں یہ سب کام ہوئے اور گو آپ نے کوئی مستقل تفسیر نہیں لکھی لیکن آپ نے اپنی

کتب میں تفسیر کے اصول بیان فرمائے اور جو اعتراضات قرآن مجید پر غیر ادیان کی طرف سے کئے جاتے تھے اُنکے جواب دیئے۔ اور قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت کیا۔ اور مفسرین نے جو غلطیاں تفسیر میں کھائی تھیں اُن میں سے اکثر کو واضح کیا۔

آپؑ کی کتب میں بیان فرمودہ تفسیر کو بعد میں جمع کیا گیا ہے جو خزینۃ العرفان کے نام سے مشہور ہے۔

نوٹ درس القرآن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسے دست و بازو عطا فرمائے جو قرآن مجید کے عاشق تھے اور قرآن مجید کو سمجھنے والے تھے۔ چنانچہ ان بازوؤں میں سے حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جو بعد میں جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے ساری عمر قرآن مجید کی خدمت میں لگا دی اور قرآن پاک کے صحیح مطالب بیان فرماتے رہے۔ گو آپؓ نے کوئی تفسیر مستقل طور پر نہیں لکھی لیکن آپؓ کے درسوں کو جمع کیا گیا ہے اور ان نوٹوں سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تفسیر کبیر

پھر حضرت خلیفہ اولؓ کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح القدس کی مدد سے حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو کھڑا کیا۔ اور حسب بشارات آپ کو علم قرآن عطا کیا گیا تا "قرآن مجید کی شان" لوگوں پر ظاہر ہو۔ چنانچہ آپ نے جو تفسیر قرآن مجید کی لکھی اور جس کی پانچ اجزاء شائع ہو چکی ہیں۔ گو ابھی یہ تفسیر مکمل نہیں لیکن شائع شدہ اجزاء اِس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید خود سکھایا ہے اور آپ کو علوم اسلام علوم عربی اور زبان کا فلسفہ ماں کی گود میں دودھ کے ساتھ پلائے گئے ہیں۔

تفسیر کبیر کی خصوصیات

آپ نے جو تفسیر قرآن مجید کی لکھی ہے اس کا نام تفسیر کبیر ہے۔ یہ تفسیر اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتی ہے جس کی وجہ سے ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ذیل میں اِن خوبیوں میں سے چند ایک کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

۱- آج سے پہلے اور اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ترتیب نہیں لیکن اس کے خلاف تفسیر کبیر میں ہر آیت کا دوسری آیت سے اور ہر سورۃ کا دوسری سورۃ سے تعلق واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق یہ کہنا کہ اس میں ترتیب نہیں صحیح بات نہیں ہے۔

۲- قرآن مجید پر مستشرقین یورپ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان کے اعتراضات انکی جہالت کی وجہ سے تھے۔

۳- قرآن مجید کی موجودہ زمانہ کے متعلق پیشگوئیوں پر سیر کُن بحث کی گئی ہے۔

۴- یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ سائنس کی ترقی اور تحقیقاتِ جدیدہ سے قرآن مجید کی کسی آیت پر اعتراض نہیں پڑتا بلکہ یہ سب چیزیں قرآن مجید کی تائید کرتی ہیں۔

۵- انبیاء علیہم السلام اور مختلف اقوام کے صحیح حالات اور ان کی طرف غلط طور پر منسوب شدہ امور کی تردید۔

۶- قرآن مجید کی تمام مشکل آیات کی ایسی تشریح جن کو عقل قبول کرتی ہے۔

۷- مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جہاں جہاں ٹھوکریں کھائی ہیں اُن کا بیان اور آیاتِ قرآنی کے صحیح مطلب کا ذکر۔

۸- قرآن مجید کی ایسی تفسیر جس سے اس کی حقانیت ثابت

قرآن

جناب عبدالمنان صاحب ناہید از راولپنڈی

سپاہ اور امیرِ سپاہ پر حاکم
گدائے راہ شہِ کجکلاہ پر حاکم

علاجِ دردِ غمِ دو جہاں بیاں تیرے
ہر ایک شاہرہِ زیست پر نشاں تیرے

یہ خشک فلسفہ دانی ہوائے بو لہبی
بجھا سکی نہ چراغِ محمدؐ عربی

نگاہ ہو تو مضامیں ہیں دلنشیں تیرے
جوان و پیر، زن و مرد خوشہ چیں تیرے

ترے علوم کے چشمے اُبل رہے ہیں ابھی
فضاؤں میں ترے نغمے مچل رہے ہیں ابھی

جہاں جہاں دلِ آگاہ کام کیا کرتا ہے
سکوتِ شام و سحر بھی کلام کرتا ہے

تجھے ملے تو بڑھے منزلِ وفا کے لئے
وہ قافلے کہ بھٹکتے رہے خدا کے لئے

عروجِ عاشقِ صادق دکھا دیا تو نے
جب اُس کو مہدیٔ دوراں بنا دیا تو نے

فروغِ جلوہ گہِ شش جہات ہے تجھ سے
مری حیات مری کائنات ہے تجھ سے

قرآن مجید اور علوم جدیدہ

از قلم جناب چوہدری محمد عبداللہ صاحب ڈائریکٹر فضل عمر ریسرچ انسٹیٹیوٹ ربوہ

سرچشمۂ علم حقیقی یعنی ذاتِ باری تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے انسان کی روحانی ضروریات کے لئے ہدایت عطا کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ اپنے برگزیدہ بندوں پر وہ اپنا کلام نازل کرتا ہے اور انہیں بنی نوع انسان کی ہدایت و اصلاح پر مامور کرتا ہے۔ یہ ہادیانِ خلائق انسان کو وادی بھٹکاؤ کے فسادات سے نکال کر خالقِ کائنات کے آستانہ پر لے آتے ہیں اور اس طرح دنیا میں فساد کی بجائے امن غلبہ پاتا ہے اور انسان کی پیدائش کے مقصد کے حصول یعنی روحانی ترقی کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا سب سے مصفّیٰ نمونہ قرآن مجید ہے جسکی ہدایات کا اطلاق اب رہتی دنیا تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام لازماً ابدی صداقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو قوّتِ فکر بھی عطا کی ہے اور انسان جب سے معرضِ وجود میں آیا ہے اسے اس ودیعت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا رہا ہے۔ انسان میں کھوج کا مادہ اُسے اسرارِ قدرت کے معلوم کرنے پر آمادہ کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ایک طرف انسان نے قدرت کے پیدا کئے ہوئے سامانوں سے اپنی ضروریات کو پورا کرنا شروع اور دوسری طرف ایجادات اور فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ توہمات میں گرفتار بھی ہوئے اور "جادو" کا ڈھونگ بھی رچایا تاہم پُرانی انسانی تہذیبوں مثلاً بابل، مصر، ہندوستان، چین اور یونان کی تاریخوں سے ان کی علمی ترقی کے آثار ملتے ہیں اور ان میں سے بعض علوم نے ازمنۂ وسطیٰ تک یورپ پر گہرا اثر قائم رکھا۔ مسلمانوں نے بھی ان علوم سے استفادہ کیا اور ان کو ترقی دی حتّٰی کہ گذشتہ تین صدیوں کے اندر یورپ میں ایک عظیم علمی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی اور نہایت سرعت سے وہ علوم معرضِ وجود میں آئے جو آجکل علوم جدیدہ کہلانے کے مستحق ہیں۔

علوم جدیدہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انکی بنیاد صحیح مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔ دُنیا بھر کے ماہرین علوم ان مشاہدات کے نتائج پرکھنے کے لئے تیار رہتے ہیں عملی لحاظ سے ان علوم کے شاندار نتائج بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ظہور میں آئے ہیں۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کی حیرت انگیز ایجادات معرضِ وجود میں آئیں۔ ان علوم نے ایک نیا فلسفہ بھی پیدا کیا ہے اور اس فلسفہ کا ٹکراؤ بعض وجوہ سے مذہب کے ساتھ ہوا ہے۔ اس ٹکراؤ میں کئی ایک امور اثر انداز ہوئے۔ اس فلسفہ کے اوّل مخاطب اہلِ یورپ تھے کیونکہ یہ علوم اُسی جگہ پروان چڑھے تھے اور مخاطبین میں اکثریت کا مذہب عیسائیت تھا۔ عیسائیت کی اُس وقت اپنی حالت یہ تھی کہ اس پر پادریوں کا پوری طرح تسلط تھا۔ گو بعض علاقوں میں "اصلاحی تحریکیں" بھی جاری ہو گئی تھیں۔ عیسائیت اس سے بہت پہلے سرچشمۂ روحانیت یعنی اللہ تعالیٰ کے مصفّیٰ کلام سے محروم ہو کر حقیقی روحانی اقدار کھو چکی تھی۔ پس عیسائیت نے اس فلسفہ کے مقابل تعصّب کے اظہار سے کام لیا گو بعد میں مجبور ہو کر اس کو اپنا موقف بدلنا پڑا تاہم جو نقصان

اس کے نتیجہ میں لازم تھا وہ ہو کر رہا اور علومِ جدیدہ کی تاسیس مذہب کی مخالفت پر ہوئی۔

مذہب کی مخالفت کی رَو جو ان علوم کے ذریعہ پیدا ہوئی تھی معقولیت کے نعرہ کے ذریعہ مضبوط ہوتی گئی۔ اس صورتِ حالات کو یورپ کے صنعتی انقلاب نے ہوا دی۔ صنعتی کارخانوں کے مزدوروں کی پست اقتصادی حالت نے دہریہ طبقہ کو دعوتِ عمل دی اور کمیونزم کے بانی مارکس اور اینگلز بھی میدان میں اُتر آئے انہوں نے خلافِ مذہب فلسفہ کو سیاست کا سہارا دیدیا۔ مذہب اور جدید فلسفہ کی اس جنگ میں اسلام کو عملی طور پر میدان میں آنے کا موقع بہت بعد میں ملا کیونکہ مسلمانانِ عالم خود اس وقت زبوں حالی کا شکار ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور حضورؑ نے قرآن مجید کے علم کلام کو دُنیا کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے تازہ نشانات بھی اس کی تائید میں پیش فرمائے۔

نئے فلسفہ کو حقیقت میں مذہب سے پرخاش کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ حقیقی روحانی اقدار کا حامل مذہب اپنی بنیاد اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی اس کے قول پر رکھتا ہے اور دُنیا فلسفہ جسے سائنس کا فلسفہ بھی کہا جاتا ہے قانونِ قدرت یعنی اللہ تعالیٰ کے فعل پر مدار رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول اور اس کا فعل لازماً تطابق رکھتا ہے۔ بعض دُور اندیش ماہرینِ سائنس نے بھی اس کا احساس کیا ہے اور اپنے دامن کو مذہب پر حملے کرنے سے بچایا ہے تاہم جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ہے سائنس کے مذہب پر حملہ کی بڑی وجہ عیسائیت کا ابتدائی نامعقول ردِ عمل ہے چنانچہ سنہ ۱۶۰۰ء میں ایک فلسفی گیارڈونو برونو کو عیسائی چرچ نے زندہ آگ میں جلا دیا۔ اسی طرح ہزارہا انسانوں کو محض اختلافِ عقیدہ پر "جادوگری" کا الزام دے کر زندہ جلا دیا گیا[1]۔ مگر یہ سب کچھ تعصب اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے جو عیسائیت کا اُن دنوں خاصہ تھا۔ مذہبِ صحیح تو قوانینِ قدرت کے مطالعہ کی مخالفت نہیں کر سکتا اور اختلافِ عقیدہ بھی ہو تو قرآن مجید لا اکراہ فی الدین کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی دین میں جبر کی گنجائش نہیں۔

قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کی یہ ایک زبردست دلیل ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو دیئے ہوئے تحقیق و تدقیق کے مادہ کے نشو و نما کی تائید کی ہے بلکہ قرآن مجید نے مطالعہ قدرت کی بار بار تلقین کی ہے۔ روحانی ترقی کا تقاضا بھی یہ ہونا چاہیئے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ اور ابلغ نظامِ عالم کے مطالعہ سے اپنے ایمان کے لئے بصیرت کی بنیاد قائم کرے۔ قرآن مجید میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اسی لئے یہ آیت آئی ہے کہ علیٰ بصیرۃٍ انا ومن اتبعنی کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اور حضورؐ کی اُمت کو بصیرت پر مبنی ایمان عطا فرمایا ہے۔ پس قرآن مجید کا مسلک مطالعہ قدرت کے معاملہ میں عیسائیت کے تاریخی مسلک سے بالکل جُدا ہے۔ قرآن مجید مطالعہ قدرت کو مومن کی روحانی ترقی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے کیونکہ اسی ذریعہ سے انسان کی بصیرت کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید یہ چیلنج بھی کرتا ہے کہ:-

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ
تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ
تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ
الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ
(الملک)

اس ارشادِ باری کی تائید موجودہ سائنس کی مستند

[1] بحوالہ ہسٹری آف سائنس مصنفہ سر ولیم ڈیمپر صفحہ ۱۳۴ و صفحہ ۱۵۷

کتب سے ہوتی ہے اور لطف یہ ہے کہ آیت کا آخری حصہ خصوصیت سے آجکل کی سائنٹفک تھیوری کے اس حصہ پر صادق آتا ہے جو مادہ کی بنیادی اینٹوں یعنی ایٹم کے اندرونی ذرات کا مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے بیان ہوگا۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات نمونۃً درج کئے جائیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مطالعہ قدرت کی تلقین فرمائی ہے اور اسے مومنین کا ایک خاصہ قرار دیا ہے اور اسے بصیرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (یونس ع) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (العنکبوت ع) اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران ع) اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ (الغاشیہ)

قرآن مجید کے مندرجہ بالا ارشادات سے واضح ہے کہ قرآن مجید پر تو یہ اعتراض ہرگز وارد نہیں ہو سکتا کہ وہ مطالعہ قدرت یا علمی ترقی کے خلاف ہے بلکہ معاملہ اس اعتراض کے برعکس ہے کیونکہ قرآن مجید ہی وہ الہامی کتاب ہے جس نے مطالعۂ قدرت کو ضروری قرار دیا ہے دوسری کتب اس معاملہ میں ساکت وصامت ہیں۔ قرآن مجید نے جابجا مظاہر قدرت کا ذکر فرمایا ہے اور قوانین قدرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور کارخانۂ قدرت کی باریک در باریک حکمتوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لئے بیشمار چیزیں زمین پر مہیا کی ہیں۔ پھر ہواؤں کے ذریعہ بارش کا انتظام کیا ہے، زمین میں سے روئیدگی پیدا کی ہے اور انسان کو فصلیں اُگانے کی توفیق دی ہے، دھاتوں کا استعمال سکھایا ہے، انسان کو لباس حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے اور لامتناہی ترقیات کا میدان اس کے لئے کھلا چھوڑا ہے۔ اس کے لئے سمندر اور ہوا کو مسخر کیا ہے۔ ہوا فضاء کے لئے عام لفظ بھی ہے اور فضاء میں برقی مقناطیسی لہروں پر سوار ہو کر ہماری آواز کا دُور دراز علاقوں میں پہنچنا اس کے مسخر ہونے کی ہی دلیل ہے۔ اسی طرح اور متعدد قسم کی لہریں انسان کی خدمت کیلئے دریافت ہوتی ہیں مثلاً ایکس رے، بنفشی لہریں، ماورائے احمر لہریں، بالا بنفشہ لہریں، روشنی اور گرمی کی لہریں وغیرہ۔ غرضیکہ قرآن مجید کے اس اسلوبِ بیان سے صاف واضح ہے کہ یہ کلام حقیقۃً صانعِ قدرت کا اپنا کلام ہے اور یہ بڑا ظلم ہوگا کہ مظاہر قدرت کے نام پر اللہ تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض وارد کرنے کی کوشش کی جائے۔

بعض لوگ مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کہ مذہب DOG MATIC ہوتا ہے۔ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مذہب جا و بیجا طور پر تحکم سے کام لیتا ہے۔ ان لوگوں

کو غور کرنا چاہیئے کہ جہاں تک انسان کے مقصد پیدائش کے حصول کا سوال ہے سرچشمہ روحانیت کی ہدایات اگر Authoritative یعنی مستند اور مستحکم نہ ہوں تو ہدایت کا فائدہ ہی کیا ہے۔ البتہ اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ مذہب عقل کے استعمال کے خلاف ہے تو یہ اعتراض خلاف واقعہ ہے۔ قرآن مجید نے بار بار تکرار کی ہے کہ لوگو! تدبر سے کام لو، عقل سے کام لو، فکر سے کام لو، غور کرو، سمجھو، بصیرت حاصل کرو۔ پس قرآن مجید نے روحانی امور کے بارے میں تفصیلی ہدایات دینے کے باوجود مزید علم کے حصول کی انسان کو رغبت دلائی ہے۔ دراصل سائنس کا کام مشاہدہ کر کے قوانین قدرت معلوم کرنا ہے مگر پس ان قوانین پر بحث کر کے فلسفہ پیش کرنا حقیقۃً ان کے دائرہ عمل سے خارج ہے اور ایسے فلسفہ کے پیش کرنے میں ان کو وہ استناد حاصل نہیں ہو سکتا جو انہیں مشاہدات کے نتائج پیش کرنے میں حاصل ہو سکتا ہے پس دیکھا جائے تو خود سائنٹفک فلسفہ پیش کرنے والے DOGMATIC کے خطاب کی زد میں آتے ہیں۔ اگر وہ اس فلسفہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے لگیں اور اسے اس کے صحیح مقام پر نہ رکھیں تو اس کے عدم قبول کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔

مشاہدہ کی کیفیت بھی ایک دلچسپ بحث ہے۔ انسانی حواس خمسہ محدود رنگ میں کام کرتے ہیں۔ ایک حد کے بعد انسان مشاہدات کے لئے آلات سے مدد لیتا ہے مگر خود آلات بھی اپنی صحت کے لئے حد بندی رکھتے ہیں اور مشاہدہ کی صحت پر آلے کی صحت اثر انداز ہوتی ہے پس مشاہدہ کے نتائج من کل الوجوہ خارجی حیثیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے طبعی مشاہدات میں احتمال ([illegible]) کے عمل کا دخل بھی آیا ہے۔ اور اصول ریاضی کے رنگ میں بھی بعض دفعہ بہترین نتائج

نکال لینے سے آگے تحقیق کا قدم اٹھانا محال قرار دیا گیا ہے مثلاً کوانٹم میکانیات کے ماہرین جو ایٹم کے اندر ملے ذرات یعنی الیکٹران وغیرہ کی نقل و حرکت سے بحث کرتے ہیں۔ ایک مقام پر آکر الیکٹران کے جسمیہ ہونے اور لہر ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے اور اس پر ہائزنبرگ (HEISENBERG) کے نظریہ عدم یقین (PRINCIPLE OF UNCERTAINTY) کی بنیاد ہے۔ وہی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ گو یہ اقدام کہ الیکٹران کی اندرونی حقیقت میں جھانکا جائے خلق الرحمٰن میں تفاوت دیکھنے کے مترادف تو نہیں تاہم انسان مادہ کے رازہائے سربستہ کو کھولنے میں اپنی حد بندی کے احساس کی شدت آج سے پہلے اتنا محسوس نہیں کرتا تھا۔ اور الیکٹران کو ایک پہلو سے لہر قرار دینے سے بڑھ کر کوئی یقینی امر معلوم کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن مجید اور علوم حاضرہ کے درمیان اگر کوئی اختلاف نظر آئے تو اس کی وجہ ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ اختلاف دیکھنے والے شخص کو قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں غلطی لگی ہے یا پھر علوم حاضرہ کا اصول صحیح شکل میں پیش نہیں کیا جا رہا۔ یہ بھی ایک وجہ اس اختلاف کی ہو سکتی ہے کہ خود سائنس کا اصل ابھی ارتقاء کے تمام منازل طے نہ کر سکا ہو کیونکہ سائنٹفک اصول اور نظریات بھی ارتقاء کے ماتحت تکمیل پا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر نیوٹن کا نظریہ میکانیات جو آج بھی ریاضی اور انجنیئرنگ کے مسائل میں بلا روک ٹوک استعمال ہو رہا ہے دراصل آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کا ایک خاص پہلو ثابت ہوا ہے۔ نیوٹن کا نظریہ بہت پہلے کا ہے اسلئے آئن سٹائن کا نظریہ نیوٹن کے نظریہ کی ارتقائی صورت ہے۔ اس طرح سائنس کی تھیوریاں روز بروز اصلاح پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

سائنس کے نظریات کی تبدیلی کی ایک مثال ہمارے لئے

بہت دلچسپ ہے۔ یہ امر اکثر لوگ جانتے ہیں کہ نیوٹن کے زمانہ سے "بقائے مادہ" کا نظریہ شروع ہوا۔ بعد میں جُول (Joule) کے تجارب نے "بقائے توانائی" کا نظریہ بھی پیدا کر دیا۔ آئین سٹائین نے نظریۂ اضافیت کے نتیجہ میں ثابت کیا ہے کہ مادہ اور توانائی درحقیقت ایک ہی شے ہیں۔ اسلئے مادہ فنا ہو کر توانائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ توانائی کا بھی جسم اور وزن ہوتا ہے۔ گو کائنات میں توانائی کی ناکارگی (ENTROPY) بڑھتی جاتی ہے یعنی توانائی کی مجموعی مفید شکل کم ہو رہی ہے۔ پس اس نظریہ کے ماتحت بقائے "مادہ اور توانائی" کا اکٹھا اصول قائم ہو گیا ہے۔

حال ہی میں "پاکستان جرنل آف سائنس" کے اپریل سنہ ۶۲ء کے اشاعت میں مکرم پروفیسر عبدالسلام صاحب کا ایک مضمون "COSMOLOGICAL THEORY" یعنی "نظریہ کونیات" شائع ہوا ہے۔ اس نظریہ میں کائنات کی ابتداء، بناوٹ اور وسعت کی بحث ہوئی ہے۔ اس مضمون میں کائنات کے پھیلاؤ اور ماہرینِ فلکیات کے کائناتی ماڈلوں کا ذکر ہے۔ مختصر یہ کہ متعدد مسلسل شاہدات کے نتیجہ میں یہ مفروضہ قائم کیا گیا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے کیونکہ کائنات کے جتنے سحاب (NEBULAE) معلوم ہیں وہ ایک دوسرے سے دُور ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس مفروضہ کی بناء پر کیمبرج کے ماہرینِ کونیات نے تازہ ترین ماڈل کائنات کا تجویز کیا ہے۔ ان سائنسدانوں کے نام بانڈی، گولڈ اور ہائل ہیں۔

سب سے دلچسپ امر ان کے نظریہ میں یہ ہے کہ چونکہ کائنات کے مسلسل پھیلاؤ کے باوجود کائنات کی اوسط کثافت میں فرق نہیں آ رہا اسلئے ضروری ہے کہ مادہ نیست سے ہست ہو رہا ہے۔ اب یہ نظریہ ایک طرف تو اصول بقائے "مادہ اور توانائی" کی ہمہ گیری کو لے ڈوبا ہے۔ اور دوسری طرف قرآن مجید کے بیان کردہ اصل کی زبردست تائید ہے۔ قرآن مجید ہندو مذہب وغیرہ کے نظریہ کے خلاف رُوح اور مادہ کو حادث مانتا ہے۔ روح کو اسلام مادہ کی ایک ارتقائی شکل اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر کے ماتحت قرار دیتا ہے۔ پس اصل سوال مادہ کا ہے پس جب یہ نیست سے ہست ہو رہا ہے تو یہ حادث ہے۔ قرآن مجید کے ارشادات مادہ کے حدوث کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہیں فرماتا ہے:۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (رعد ع۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے، ایسا خالق کہ وہ واحد بھی ہے اور قہار بھی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی ہستی قائم بالذات ہو اور ماسوی اللہ کو ابتداءً نیست سے ہست کیا ہوا قرار دیا جائے۔ اور اس کی قہاریت کا تقاضا ہے کہ اس کا قبضہ تصرف ہر شے پر کامل ومکمل ہو۔ پس ماسوی اللہ قائم بالذات نہیں ہو سکتے یقیناً وہ حادث ہیں اور ایک وقت نیست سے ہست ہوئے ہیں۔

پھر قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص ع۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فانی ہے۔ پس ماسوی اللہ قائم بالذات یا قدیم مطلق نہیں۔ بس وہ حادث ہیں فاقرؤا ان شئتم قول اللہ تعالیٰ "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○

(الدھر ع۱)

بقائے "مادہ اور توانائی" بانڈی، گولڈ اور ہائل کے نظریات سے کلی طور پر رد نہیں ہوتا۔ کیونکہ دُنیا کے عام حالات میں یہ اصول بڑی صحت کے ساتھ مشاہدہ میں آیا ہے

اور اس پر علوم کیمیا، طبیعات، ریاضی اور انجینئرنگ کا دار و مدار ہے۔ نئے نظریہ کے ماتحت جو مادہ معرضِ وجود میں آرہا ہے وہ نہایت قلیل مقدار میں ہے اور ایک استثنائی قانون کا رنگ رکھتا ہے۔ عام اصول روزمرہ کی زندگی میں بقائے "مادہ اور توانائی" کا ہی استعمال ہوگا۔ دراصل یہ امر بھی قرآن مجید کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا

(الطلاق ع۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے اور اسے قوانینِ قدرت کے ماتحت رکھا ہے۔ دراصل یہ امر مسئلہ تقدیر کا ایک حصہ ہے۔ قوانینِ قدرت کے اجراء کا نام تقدیر ہے۔ تقدیر میں تقدیر عام و خاص طبعی اور تقدیر عام و خاص شرعی شامل ہے۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ تقدیر کے ہر پہلو پر ایمان لانا انسانی ترقیات کے لئے ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص تقدیر عام و خاص طبعی پر یقین نہیں رکھتا وہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ مثلاً جو شخص زراعت کے متعلق قوانینِ قدرت سے لاپرواہی کریگا وہ ہرگز اچھا زمیندار نہیں بن سکتا۔ یہی حال تقدیر شرعی کا ہے۔ قوانینِ شریعت و روحانیت کا لحاظ نہ رکھنے سے انسان کی روحانیت تباہ ہوگی۔ پس تقدیر عام طبعی کے ماتحت ہم بقائے "مادہ اور توانائی" کے اصل کو رکھ سکتے ہیں جو اپنے دائرہ کے اندر کام کرتا ہے اور حدوثِ مادہ کے اصل کو تقدیر خاص طبعی کے ماتحت لائیں گے جو اپنے دائرہ کے اندر کام کرتا ہے۔ اور یہ دونوں اصل اللہ تعالےٰ کے کلام کی صداقت پر شاہد ہیں اور مومن کے لئے ازدیادِ بصیرت کا باعث ہیں +

نورِ فرقاں

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے اک چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی! تیرا فرقاں ہے کہ اک عالَم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیرِّ بیضا نکلا

زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دلِ اعمیٰ نکلا

جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

(منقول از براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

العرب بالأمس واليوم

بقلم الأستاذ الفاضل محمد صديق امرتسري المبشر الاسلامي بافريقية

تغيرت الديار اليعربية / بأفذاذ الشعوب الاجنبية
بني عدنان تغلبكم يهود / وتنهب منكم الارض الزكية
ويقسم بينهم "ترومان" وطنا / ورثتم عن جدودكم الأبية
ايرضى الله عنكم ان رضيتم / بهذ الذل والحيل الدنية
وهل من بعد هذا الضيم ضيم / لأشبال الاسود الهاشمية
سلوا التاريخ عما قد فعلتم / لنشر الدين في كل البرية
وماضيكم سلوا غرناطة عنه / سلوا بغداد ثم القادسية
سلوا سمر العوالي والمواضي / سلوها عن فتوحات قوية
مشيتم في مناكب كل بر / وبحر كالضراغمة الأبية
سبقتم كل قدم في وفا العهود / وفي الندى والاريحية
وجاهدتم لدين الله حتى / أضأتم كل بلدان البرية
فأورثكم مشارقها تباعا / كذلكم مغاربها عطية
وكنتم خير من ركب المطايا / وكنتم اشرف الامم العلية
وكنتم قدوة في كل خير / واعلام البطولة والحمية
وكنتم اولياء الله حقا / وكان الكافرون لكم رعية
وكنتم حاملي علم الهدى والث / ـقافة والحضارة في البرية
وكنتم تشربون الماء صفوا / ويشرب غيركم كدرا ردية
وكنتم بينكم رحماء لاكن / اشداء على الامم العتية
فما لكم اخيرا قد غدوتم / لأسرائيل عبدانا رعية
خضعتم لليهود وللنصارى / وسلمتم لهم أرضا زكية
وكم منكم زعيما باع وطنا / ودينا بالدنانير الدنية
أطاعوا الغرب وانقادوا اليه / وباعوا الدين بالدنيا الدنية
أباحوا المنكرات وقد أضاعوا / صلوتهم لشهوات ردية

فما هو غير سوط عذاب ربٍّ — عزيز قاهر ربّ البريّه
فلا يرجى الصلاح بدون ندم — على ما فات مع ترك الخطيّه
فلا يعفوا الله القدس عنكم — ولا يشفع لكم خير البريّه
فلبّوا دعوة المهدى سِلماً — وهبّوا وا غلبوا كلّ البريّه
ومجد العرب بالاسلام دوما — وبالقرآن انفسهم نقيّه
فيا رباه! أُنصر آل طٰه — وعرّفهم مزايا الاحمديّه
ويا ليت الزمان يعود يوماً — فيرجع مجد اممٍ يعربيّه
سمعنا داعياً فى الهند نادى الـ — ـأنام الى الحياة السرمديّه
فآمنّا وجدّدنا عهوداً — وجدّدنا شريعتنا الزكيّه
وبايعنا امام المسلمين — أتى يدعوا الورىٰ للاحمديّه
وهل هو غير احمد يا صديقى — مجدد عصرنا حامى الشريعه
خليفة سيّد الثقلين طرّاً — رسول السِّلم من ربّ البريّه
أُمامٌ أرجع الايمان فينا — وكان معلّقاً عند الثريّا
فهل انتم تجيبونى لِماذا — نسيتم عن محمّدٍ الوصيّه
بان القائم المهدى يظهر — لنصر المسلمين بلا مريّه
ويجمعهم على القرآن كُلّاً — ويأتيهم بنور الاحمديّه
يعلّمهم كتاب الله ثمّ — يزكّيهم بآياتٍ زكيّه
خلا عيسى ابن مريم منذ عهدٍ — وفى كشمير جاءته المنيّه
فما هو عائش فى اى ارضٍ — ولا هو فى السمٰوٰت العليّه
وأمر نزوله فى الشام كذبٌ — وبهتانٌ على خير البريّه
كتاب الله يشهد انّ عيسىٰ — توفّى فى القرون الأوّليّه
فطوبىٰ للمطيع لمثل عيسى الـ — ـذى قد جاء بالدرر البهيّه
إله الكون كُن عوناً وغوثاً — لنا فى كلّ كربٍ أو رزيّه

وصلِّ على رسول الله طٰه
وأحمد بالغدوة والعشيّه

قرآن کریم اور انسانی خوراک

(از جناب میر اللہ بخش صاحب تسنیم)

انسانی خوراک کا مسئلہ ہمیشہ سے حکمائے عالم کے افکار و آراء کی جولان گاہ رہا ہے اور اب تک کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہو سکا جسے اس امر کے متعلق متفقہ فیصلہ قرار دیا جا سکے۔ ایک فریق کے خیال میں انسان کی طبعی خوراک سبزیوں تک ہی محدود ہے لیکن دوسرے فریق کے خیال میں گوشت بھی انسان کی طبعی خوراک کا ایک ضروری حصہ ہے۔ بہرحال ہزارہا سال کی بحث و تمحیص کے بعد نتیجہ کے متعلق ہنوز روزِ اول ہی کا معاملہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے بے شمار امیال و عواطف کی بنا پر ایک ایسا بے پایاں عالم ہے کہ محدود انسانی عقلیں اس کے ہر پہلو پر بیک وقت نظر ڈالنے سے قاصر ہیں۔ اسلئے خوراک کی تعیین کرتے وقت بھی صرف اسی پہلو کا خیال رکھا جاتا ہے جو پیشِ نظر ہوتا ہے دوسرے پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ کسی ایسے آدمی کا معرض وجود میں آنا ناممکن ہے، جو انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ سکے اسلئے یہ بھی ناممکن ہے کہ انسانوں میں سے کوئی انسان یا بعض انسان خوراک کے متعلق کسی یقینی اور صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ اب تک جو کوششیں اس سلسلہ میں ہوئی ہیں یا آئندہ ہوں گی ان کی حیثیت تاریکی میں تیر چلانے سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرینِ علمِ غذا بھی ناکام ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:-

"کیمیائی تجزیہ صحیح غذا کے دریافت کرنے میں اسی نسبت سے کامیاب ہو سکتا ہے جس نسبت سے خدا کی ہستی کو دریافت کرنے کے لئے عقلی دلائل۔ اسلئے (غذا کے متعلق فیصلہ) ہمیشہ گمراہ کن اور ناقابلِ اعتبار رہے گا۔ قدرت ہی اس پیچیدہ مشینری کی ضروریات کو مکمل طور پر سمجھ سکتی ہے اور اس کے قیام کیلئے موزون غذا منتخب کر سکتی ہے۔" (ڈاکٹر سوم دت مصنف علاج بالاغذیہ بحوالہ مشیر الاطباء لاہور مارچ سنہ ۱۹۳۹ء)

گویا جس طرح تنہا عقل خدا کے وجود کے متعلق یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتی جب تک، اس کی رہنمائی کیلئے وحی و الہام کی روشنی نہ ہو۔ اسی طرح انسانی خوراک کی تعیین کے میدان میں بھی عقل کی جولانیاں محض بیسود ہیں کیونکہ بغیر وحی و الہام کی عناں گیری کے اس کا منزلِ مقصود پر پہنچنا ناممکن ہے۔

اسلام نے بحیثیت ایک کامل مذہب ہونے کے جہاں روحانی امور کے بارے میں انسان کیلئے ایک مکمل لائحہ عمل پیش کیا ہے وہاں اس نے اسکی جسمانی حالت کو اعتدال پر رکھنے والے امور سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ اس سلسلہ میں ایسے یقینی اصول پیش کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی جسمانی حالت کو حدِ اعتدال پر قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

اور اپنے جسم کے اعتبار سے وہ کمال حاصل کر سکتا ہے جس کے لئے اُسے معرضِ وجود میں لایا گیا۔

خوب غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جسمانیت کا روحانیت کے ساتھ نہایت لطیف تعلق ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی جملہ مذاہب میں سے صرف اسلام ہی نے کیا ہے۔ وہ جسم جس کی پرورش کسی ناپاک اور غیر طیب غذا سے کی جائے کبھی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اس میں جاگزیں رُوح روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر سکے۔ اسلئے اسلام نے انسانی غذا کی تعیین کے متعلق بھی اصولی باتیں بیان کر دی ہیں تاکہ روحانیت کا طالب بے خوف و خطر اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا چلا جائے اور تمام اُن مؤثرات سے استفادہ کرتا چلا جائے جو اسے منزلِ مقصود تک پہنچانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کریم نے ہی اس طرف توجہ دلائی کہ روحانیت کے حصول کے لئے پاکیزہ غذاؤں کا استعمال ضروری ہے اور پاکیزہ غذا وہی ہے جس سے وہ نتائج حاصل ہوں جو غذا کی علتِ غائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ
وَاعْمَلُوا صَالِحًا (مومنون رکوع ۴)

یعنی اے رسولو! جو اُمتوں کے مقتدا ہو پاکیزہ چیزیں کھاؤ تاکہ تمہارے نقشِ قدم پر چل کر تمہاری اُمتیں بھی پاکیزہ چیزیں ہی استعمال کریں۔ کیونکہ اعمالِ صالحہ کی تحریک پاکیزہ چیزوں کے استعمال ہی سے ہوتی ہے۔ کیونکہ غذا بالواسطہ انسانی اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسلئے کلامِ الٰہی میں انسانوں پر اس حقیقت کا اظہار کرکے انہیں ایسی خوراک استعمال کرنے کا حکم دیا ہے جو اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کی محرک ہو۔ اسی لئے فرمایا

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ
(بقرہ ع ۲)

کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو دیں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:۔

كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا
طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ (بقرہ ع ۲۱)

زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے حلال اور طیب کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔

گویا جس کی خوراک حلال اور طیب اشیاء پر مشتمل نہیں ہوگی وہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلیگا۔ لہٰذا شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے بچنے اور روحانی لوگوں کی پیروی کی توفیق پانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ایسی چیزیں بطور خوراک استعمال کرے جو حلال اور طیب ہوں۔

غذا کے جسم اور اعمال و اخلاق پر اثر انداز ہونے کے ثبوت کائنات میں ہزاروں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو عظیم الجثہ حیوانات کے گوشت بطور غذا استعمال کرتے رہتے ہیں ان کی نسلیں قد و قامت میں معتدبہ ترقی حاصل کر لیتی ہیں۔ اس کا ثبوت جنگل میں بسنے والی قوموں اور دیہات میں بود و باش رکھنے والی قوموں کی امتیازی خصوصیات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرنے والی قوموں کی نسلیں بھی جسمانی نشو و نما میں ترقی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل اور قوتِ باربرداری میں کافی بڑھ جاتی ہیں جو اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ انسان کی خوراک اس کے جسم اور اخلاق وغیرہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہ صرف انسانوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر ذی حیات کی خوراک اس کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اہلِ فلاحت

کا بیان اور اہلِ تجربہ کا مشاہدہ ہے کہ جن مرغیوں کو اونٹ کی مینگنیوں میں ملا کر پکاتے ہوئے دانے کھلائیں انکے انڈوں سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ اُن مرغیوں کے بچوں سے قد و قامت میں بڑے ہوتے ہیں جو اس قسم کی خوراک سے محروم ہوں۔ بہرحال یہ مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے کہ خوراک جسم پر بلاواسطہ اور اخلاق و اعمال پر بالواسطہ اثر انداز ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے اصولی طور پر پاکیزہ چیزوں کے استعمال کی تعلیم دینے کے بعد اس امر کی بھی تشریح کر دی کہ کون کون سی چیزیں انسان کے لئے مفید اور کون کون سی غیر مفید ہیں۔ کون کون سی چیزیں استعمال کرنے کے قابل اور کون کون سی پرہیز کے لائق ہیں۔ خوراک کی تعیین کرتے وقت قرآن کریم نے انسان کے ان طبعی جذبات کی تربیت کو نظر انداز نہیں کیا جو عقل اور الہام کی روشنی میں ترقی حاصل کر کے اخلاق کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خوراک کی فہرست میں گوشت، سبزی، پھل، دودھ اور شہد وغیرہ سب چیزوں کو شامل رکھا ہے تاکہ وہ اخلاق اور جذبات جن کا تعلق گوشت کے استعمال سے ہے وہ گوشت سے پرورش پاتے رہیں اور جو دیگر اشیاء کے استعمال سے تعلق رکھتے ہیں ان کی تربیت متعلقہ اشیاء کے استعمال سے ہوتی رہے۔ چنانچہ سبزیوں کے استعمال کے متعلق فرمایا:۔

فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ
(طٰہٰ ع ۲)

ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ تمہارے لئے مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کئے۔ تم انہیں کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو کھلاؤ۔

اسی طرح پھلوں کے متعلق یوں راہنمائی فرمائی:۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (انعام ع ۱۷)

اور وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے چھتری دار اور غیر چھتری دار اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کی خوردنی اشیاء مختلف ہیں اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ ان کے پھلوں سے کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور کاٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت میں زرعی پیداوار کی خوردنی اشیاء یعنی سبزیوں اور دالوں کے استعمال کی طرف اشارہ کرنے کے علاوہ پھلوں کے استعمال کی ہدایت فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی تنبیہہ فرما دی کہ کسی چیز کے استعمال میں اسراف نہیں ہونا چاہیئے۔ ہر چیز کے استعمال میں طبی لحاظ سے مقررہ حدود کی پابندی کرنی لازم ہے۔

قرآن کریم انسان کی غذا کو صرف سبزیوں، دالوں اور پھلوں تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ انہیں گوشت کے استعمال کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ کیونکہ مختلف اخلاق وجذبات کی تربیت کے لئے جہاں سبزیوں، دالوں اور پھلوں کے استعمال کی ضرورت ہے وہاں گوشت استعمال کئے بغیر بھی چارہ نہیں۔ کیونکہ جن جذبات اور اخلاق کا

تعلق گوشت کے استعمال سے ہے اُن کی تربیت سبزیوں کے استعمال سے نہیں ہو سکتی۔ پھر گوشتوں کے متعلق بھی ایک ہی قسم کے گوشت پر انحصار نہیں رکھا، بلکہ مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت کے استعمال کی ہدایت فرمائی۔ ہوا میں اُڑنے والے پرندوں، سمندر میں تیرنے والی مچھلیوں اور سطح زمین پر چرنے چُگنے والے جانوروں سب کے گوشت استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں آتا ہے:۔

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ
إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ۔ (مائدہ ع۱)

تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (یعنی جو چوپائے تمہارے لئے ممنوع قرار دیئے گئے ہیں اُن کے علاوہ جملہ چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں)۔

جنگلی جانوروں کے متعلق فرمایا:۔

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا۔
(مائدہ ع۱)

جب تم احرام سے نکلو تو شکار کرو۔

سمندر کے جانوروں کے متعلق فرمایا:۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ
(مائدہ ع ۱۲)

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اسکا کھانا حلال کیا گیا ہے۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
حُرُمًا (مائدہ ع ۱۲)

اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو اُس وقت تک تمہارے لئے خشکی کا شکار ممنوع ہے (اور جب تم احرام سے نکل جاؤ اُس وقت حلال ہے) جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔

بعض مذاہب ایسے ہیں جو دُنیوی لذائذ سے متمتع ہونے کو روحانیت کے منافی سمجھتے ہیں لیکن قرآن کریم کے نزدیک خدا تعالیٰ کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے متمتع ہونا خدا تعالیٰ کی شکرگزاری کا محرک اور روحانیت کا معین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ از روئے قرآن کریم حلال چیزوں کو خواہ مخواہ اپنے لئے ممنوع قرار دے لینا پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ اس پر تنبیہہ کی گئی ہے اور اس حرکت کے ارتکاب سے روکا گیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا
الطَّيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا
تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ ۝ (مائدہ ع ۱۲)

اے مومنو! پاکیزہ حلال چیزوں کو جو خدا نے تمہارے لئے جائز ٹھہرائی ہیں حرام نہ ٹھہراؤ۔ اور حد سے نہ گزرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

گویا خدا تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو اپنے لئے ممنوع قرار دے لینا خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي
أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ
الرِّزْقِ۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (اعراف ع ۴)

کہدے اللہ کی زینت کو اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو جو اُس نے اپنے بندوں کے فائدہ کے لئے نکالی ہیں کون حرام کرتا ہے؟ کہدے

یہ سب چیزیں مومنوں کے لئے ہیں تاکہ وہ دُنیا کی زندگی میں ان سے مستفید ہوں۔

قرآن کریم کے رو سے بہترین غذا

سطور بالا میں قرآن کریم سے اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ انسانی غذا کن کن چیزوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ اب یہ ظاہر کیا جائے گا کہ از روئے قرآن مجید غذاؤں میں سے بہترین غذا کون کون سی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ قرآنی تعلیم کی رُو سے انسانی لذتوں کا انتہائی مقام جنّت کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جنت ایک ایسا مقام ہے جہاں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے متمتع ہوگا اسلئے انسانی غذا سے تعلق رکھنے والی جن جن نعمتوں کا ذکر جنّت کے سلسلے میں آئے گا انسانی غذا سے تعلق رکھنے والی اشیاء میں سے وہی بہترین ہوں گی، قطع نظر اس بحث سے کہ وہ نعمتیں روحانی ہوں گی یا جسمانی۔ اگر وہ نعمتیں روحانی ہیں اور حقیقۃً ہیں بھی روحانی ہی تو بھی ان بہترین روحانی نعمتوں کی حقیقت کو ہمارے ذہنوں کے قریب تر کرنے کے لئے جن جسمانی نعمتوں کا نام لیا گیا ہے وہ یقینی طور پر دُنیا کی بہترین اشیاء کے ناموں پر مشتمل ہوں گی۔ جیسا کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے دودھ، شہد، گوشت اور مختلف قسموں کے پھل ہی وہ نعمتیں ہیں جو جنّتیوں کے لئے مہیّا کی جائیں گی۔ لہٰذا اشارۃ النص کے طور پر قرآن کریم کی تعلیم کی رُو سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بہترین غذا یہی چیزیں ہیں۔

جنّت کی نعمتوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں آتا ہے:-

فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (محمد ع ۲)

جنّت میں نہریں ہوں گی ایسے پانی کی جو سڑے بسے گا نہیں۔ گویا پینے کے لائق وہی پانی ہے جو سڑا بُسا ہوا نہ ہو۔ اور پانیوں میں سے بہترین پانی وہی ہے جو نہ سڑے اور نہ بسے۔ وہ بارش کا مصفّٰے پانی یا کشید کیا ہوا پانی ہے۔ اور جنّت میں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوا ہوگا۔ گویا بہترین دودھ تازہ دوہا ہوا دودھ ہے۔ دودھ کے متعلق ایک دوسرے مقام میں آتا ہے لَبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ۔ خالص دودھ جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہوتا ہے۔ گویا اس طرح دودھ کے ایک اعلیٰ غذا ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جنّت کی نعمتوں کے بارے میں پھر فرمایا کہ پاکیزہ شراب کی نہریں ہونگی پینے والوں کے لئے لذیذ۔ (چونکہ سورۂ مائدہ میں دنیوی خمر یعنی نشہ آور شراب کے متعلق صریح طور پر فرما دیا کہ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (مائدہ ع ۱۲) یہ شراب پلید چیز ہے اور اس کا استعمال شیطانی عمل ہے اسلئے اس سے پرہیز کرو۔ اس طرح دنیا کی ناپاک شراب کو دُنیاوی زندگی کی غذا سے خارج کر دیا) دودھ کے متعلق یہ فرما کر کہ یہ پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے اسے بہترین غذا قرار دیدیا۔ پھر فرمایا کہ جنّتیوں کے لئے مصفّٰے شہد کی نہریں ہوں گی۔ اور دنیا میں شہد کے متعلق فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ فرما کر اس کے استعمال کی ترغیب دلائی اور اسے بہترین خوراک قرار دیا۔

پھر فرمایا اور جنتیوں کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر جنتیوں کے متعلق فرمایا۔ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (طور ع ۱) اور ہم نے جنتیوں کو پھل دیئے اور گوشت اُن چیزوں کا جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اس طرح دودھ، شہد، پھل اور گوشت کا ذکر بطور جنت کی نعمتوں کے بیان کر کے ضمناً اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ غذاؤں میں سے یہ چیزیں بہترین غذا ہیں۔

جہاں قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو کون کون سی چیز بطور خوراک استعمال کرنی چاہیئے وہاں یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ کس حد تک کوئی چیز استعمال کرنی چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (اعراف ع ۳)

کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ یعنی کسی چیز کے کھانے پینے میں حد سے نہ بڑھو۔

قرآن کریم نے مختلف غذاؤں کے استعمال کی حدبندی خود نہیں کی بلکہ اُسے انسانی عقل اور تجربہ پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ ایسی حدود ملکی آب و ہوا، موسمی تغیر و تبدل، اور جسمانی حالات کے تنوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیشہ مختلف ہوتی رہیں گی۔ مثلاً جنگل میں بود و باش رکھنے والوں کو جس قدر گوشت کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے بستی میں رہنے والوں کے لئے اتنی مقدار کا استعمال اسراف میں داخل ہوگا۔ اسی طرح سرد ممالک کے رہنے والوں کے لئے جتنی مقدار مناسب ہوگی گرم ممالک کے باشندوں کے لئے اتنی مقدار غیر مناسب ہوگی۔ اسی طرح مختلف پیشوں کے اعتبار سے غذا کے اسراف اور عدم اسراف کا تناسب جدا جدا ہوگا۔ اس قسم کی تفصیل کو قرآن کریم نے پیش نہیں کیا۔ تاکہ یہ باتیں انسان اپنی عقل اور تجربہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر اس قسم کی تفصیلات بھی بیان کر دی جاتیں تو علمی میدان میں عقل کی دوڑ دھوپ کے لئے اس سلسلہ میں کوئی سامان نہ ہوتا۔ اور عقل کا عدم اور وجود برابر ہوتا۔

قرآن مجید کی رُو سے محرّم اشیاء

قرآن کریم نے انسانی غذا کے متعلق صرف مثبت پہلو ہی نہیں لیا بلکہ منفی پہلو پر بھی واضح روشنی ڈالی ہے۔ جہاں اُن چیزوں کے متعلق اصول بیان فرمائے ہیں جو انسان کے لئے اس کے اخلاق اور روحانیت پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے مفید ہیں وہاں اُن اشیاء کی بھی وضاحت فرمائی ہے جو انسان کے اخلاق اور روحانیت کی تربیت کے منافی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ۔

یعنی حرام کیا گیا ہے تم پر مردار۔ خون۔ سُوّر کا گوشت۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا۔ اونچی جگہ سے گر کر مرا ہوا۔ سینگ کی ضرب سے مرا ہوا اور درندوں کا پھاڑا ہوا (لیکن اگر اسے تم نے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا ہو تو استعمال جائز ہے) اور تھانوں پر ذبح کئے جانے والے جانور اور تیروں کے ساتھ قسمت معلوم کرنا کیونکہ یہ سب فسق ہیں۔

فسق کے معنی عربی زبان میں خروج عن طریق الحقّ

والصلاح ہیں۔ یعنی درستی اور بہتری کے طریقہ سے نکل جانا۔ یعنی ان چیزوں کے استعمال سے تمہاری روحانیت درست نہیں رہ سکتی اور تم صحت و اخلاق کی صلاحیت کھو بیٹھو گے۔ خنزیر اور دوسرے مُردہ جانوروں کے گوشت کھانے سے جو اخلاقی اور جسمانی مضرتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں ان کی تشریح تحصیل حاصل ہے کیونکہ موجودہ روشنی اور علمی ترقی کے زمانے میں ان کے مضر ہونے کی صداقت روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے۔

اسی طرح شراب کے متعلق فرمایا:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

(بقرہ ع ۲۷)

تجھ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں۔ کہہ دے اِن دونوں میں ضرر بڑا ہے اور لوگوں کے لئے کچھ تھوڑے سے فائدے بھی۔ لیکن ان کا ضرر ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

چونکہ ہمیشہ عقلمند انسان زیادہ منفعت کا خواہشمند ہوتا ہے اس لئے شراب کے متعلق یہ بیان کر کے کہ اس میں نقصان زیادہ ہے اور نفع کم ہے اس سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی۔ اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق ایک اصولی تعلیم دے دی کہ ایسی چیزیں استعمال کرو جن میں نفع زیادہ اور نقصان کم ہو۔ شراب کے متعلق پھر سورہ مائدہ ع ۱۲ میں فرمایا رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ پلید ہے اور شیطانی عمل میں سے ہے اگر اسے استعمال کرو گے تو پاکیزہ اخلاق سے محروم ہو کر شیطان کے ہم جنس ہو جاؤ گے اسلئے فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اس سے پرہیز کرو تا کہ تم اپنی زندگی کا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔

قرآن کریم ان تمام چیزوں کو کھانے سے منع فرماتا ہے جن پر اللہ کا نام نہ لیا جاتے۔ چنانچہ سورہ انعام ع ۱۴ میں آتا ہے وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی وہ چیز نہ کھاؤ جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر نہ کیا جاتے۔ گویا ہر ایسی چیز کھانے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ ایسی چیزوں کا کھانا انسان کی روحانیت کے لئے مہلک ہے۔

یہ ہیں وہ ہدایات جن پر عمل کرنے کی ہدایت قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو دی ہے اور جن پر عمل کر کے انسان دین و دنیا میں خائز المرام ہو سکتا ہے۔

حق کی مخالفت اور اس کی وجوہات

(پروفیسر بشارت الرحمن صاحب ایم اے تعلیم الاسلام کالج لاہور)

گذشتہ دنوں علماء کی طرف سے حکومت کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ پاکستان میں جماعت احمدیہ کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا جائے۔ میں اس وقت اس مطالبے کے سیاسی پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا، صرف اس کی بعض نفسیاتی وجوہات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کی صفوں میں اندرونی طور پر انتشار پیدا کرتی ہے۔ جہاں تک سیاسی انتشار پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ الزام ظاہرا طور پر بعید از حقیقت ہے۔ سیاسیات میں جماعت احمدیہ نے ہمیشہ ہی دوسرے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے اور ہر موقع پر ان کی تائید کی ہے جس کے ثبوت میں مسلمانوں کے چوٹی کے سیاسی لیڈروں کے اعترافات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر جبکہ مسلمانوں کے دوسرے سیاسی لیڈر بعض خطرات سے غافل ہوتے تو حضرت امام جماعت احمدیہ مسلمانوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے رہے۔ اور ان خطرات کے تدارک کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

جہاں تک مذہبی اور دینی انتشار پیدا کرنیکا الزام ہے تو یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں مذہبی اور دینی اتحاد اور یگانگت پہلے سے ہی مفقود ہے اور ہر فرقہ کے مسلمہ علماء نے دوسرے فرقوں پر کفر کے غلیظ ترین فتوے جاری کئے ہوئے ہیں۔ جماعت احمدیہ تو قائم ہی اسلئے کی گئی ہے کہ ان منتشر مسلمانوں کو جن کے علماء نے ایک دوسرے پر خواہ مخواہ کفر کے فتوے عائد کئے ہیں پھر ایک متحدہ دینی پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ تا دنیا اسلام کی ابتدائی جماعت بندی، یگانگت و اتحاد کا ازسرنو نظارہ دیکھے۔ جماعت احمدیہ مسلمانوں کے مذہبی انتشار کو زیادہ کرنے کی بجائے اس کو رفع کرتی ہے۔ اور اس جماعت میں اس امر کا اچھی طرح سے نظارہ دیکھا جاسکتا ہے کہ مختلف فرقوں کے افراد جو ایک دوسرے کی تکفیر کیا کرتے تھے جماعت احمدیہ کا رکن بن کر

اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ وَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا

کا مصداق نظر آتے ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علماء کے اس مطالبے کی پشت پر احمدیت کے مقابلہ میں ان کا اضطراری اعتراف شکست ہے اور اس طرح پر ان کا ایسا مطالبہ کرنا اپنی ذات میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا عظیم الشان ثبوت بن جاتا ہے۔ اگر علماء کے دل میں یہ یقین ہوتا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی وہ تشریح جو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے بالبداہت غلط ہے اور کسی ٹھوس بنیاد پر قائم نہیں تو قرآن کریم کے پیش کردہ اصول جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کے مطابق انہیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ میدان میں آتے اور دلائل سے اسلام کی اصل تشریح

مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے اور اس کے بعد وہ دیکھتے کہ باطل کا طلسم خود بخود حق کے سامنے دھواں بنکر اُڑنا شروع ہو جاتا۔ لیکن حقیقت اس کے الٹ تھی۔ علماء یہ محسوس کر رہے تھے کہ اسلام کی وہ تشریح جو وہ پیش کر رہے ہیں ناقص اور بے بُنیاد ہے۔ ان کا پیش کردہ اسلام جماعت احمدیہ کے پیش کردہ اسلام کے مقابلے میں گھناؤنا اور بدنما نظر آتا ہے۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ وہ دلائل کے ذریعہ سے اپنے مقام اور موقف کو قائم نہیں رکھ سکتے لہذا احمدیت کو مٹانے کے لئے انہوں نے یہ انوکھا مطالبہ کر دیا۔ اس مطالبے کی بعض سیاسی وجوہات بھی تھیں لیکن یہ اس وقت میرے مضمون کا حصہ نہیں۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا علمائے کرام نے قرآن کریم نہیں پڑھا تھا جس میں لکھا ہوا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ اگر احمدیت خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو یقیناً یقیناً یہ افتراء علی اللہ سے بھرپور ہے اور جماعتِ احمدیہ مندرجہ بالا خدائی قانون کے مطابق کبھی بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ پھر علمائے کرام کے لئے ڈرنے کی کونسی وجہ تھی۔ لیکن اگر وہ واقعی یہ محسوس کر رہے تھے کہ احمدیہ جماعت کے افراد عقائد اور اعمال کے لحاظ سے سیدھے راستے پر قائم ہیں اور انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی ہے اور ان کے عقائد و اعمال دوسرے مسلمانوں کے عقائد و اعمال پر برتری رکھنے کی وجہ سے انہیں مغلوب کرتے چلے جاتے ہیں تو پھر علمائے کرام کو نیک نیتی سے اس امر کی وجہ دریافت کرنی چاہیئے تھی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے شخص کے متبعین دنیا میں پھلا پھولا کرتے ہیں اور کبھی بھی ان کے خیالات اور معتقدات کو حق کے مقابلے میں کامیابی اور برتری نصیب ہوا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر قرآن کریم سچا ہے تو ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر احمدیت کے معاملہ میں ایسا ہو رہا ہے تو یہ امر اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ بانیٔ احمدیت علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی اللہ تعالیٰ کی وحی کے مورد تھے۔ علماء کا فرض تھا کہ اس حقیقت کو سمجھتے اور اس زمانے کے داعی الی اللہ پر خود بھی ایمان لاتے اور مسلمانوں کو بھی اس امر کی تلقین کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مورد بنتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہی امر مخالفین کے سامنے پیش کیا ہے۔ فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ
عَلَىٰ نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتُ
فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي ۔

یعنی اے رسول! تُو ان سے کہدے کہ اگر میں گمراہی کے رستے پر گامزن ہوں تو تمہارے لئے گھبرانے کی اور خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ گمراہی خود بخود مجھ پر اُلٹ پڑے گی اور میں اپنے مقاصد میں ناکام و نامراد ہو جاؤں گا۔ لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ میں سیدھے راستہ پر ہوں تو یاد رکھو کہ اس کا موجب وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نازل ہو رہی ہے۔ یعنی اس صورت میں تمہارا فرض ہے کہ اس وحی الٰہی پر ایمان لے آؤ۔

افسوس صد افسوس کہ ہر زمانے میں حق کے مخالفین اس سنہری اصل کو سامنے رکھنے کی بجائے کبھی یہ نعرہ

بلند کرتے ہیں لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ کہ (اے
حق پرستو!) ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔
اور اسی طرح سے قرآن کریم کے الفاظ میں کبھی ان کے
مُنہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں کہ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَۃٌ
قَلِیْلُوْنَ ۔ یہ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو قلیت
میں ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ اِنَّھُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ
یہ اپنے معتقدات کی وجہ سے ہمیں غصہ دلاتے ہیں۔
انہیں یا تو اپنی سرگرمیوں کو بند کرنا پڑے گا ورنہ اس
کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ آخر میں یہ نعرہ
بلند کرتے ہیں اِنَّا فَوْقَھُمْ قٰھِرُوْنَ یعنی ہم ان
پر ہر طرح سے غالب ہیں اور جو چاہیں گے ان سے
سلوک کریں گے اور انہیں ہمارے درمیان ہماری
مرضی کے مطابق ہی رہنا پڑے گا۔

تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دُہراتی رہی ہے اور
اس زمانے میں بھی دُنیا نے وہی نظارہ دیکھا ہے
جو ہمیشہ سے حق کے مخالف دُنیا کے سامنے پیش
کرتے رہے ہیں۔ کسی اصول کی مخالفت اگر معقول
اور معروف طریقوں سے کی جائے تو کبھی بھی قابلِ
اعتراض نہیں ہوسکتی۔ لیکن حق کے مخالفین ہمیشہ ہی
اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آیا کرتے ہیں اور اس کی
وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی فطرت بول رہی ہوتی ہے
کہ وہ باطل پر ہیں اور حق عنقریب ان کے باطل
عقائد پر غالب آجائے گا پس وہ ہر ناجائز طریقے
سے حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں۔ لیکن دُنیا ہمیشہ
یہ نظارہ دیکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاسدوں اور
معاندوں کے شر سے اپنے رسولوں کو بچاتا ہے۔
اور خارق عادت رنگ میں ان کی تائید اور نصرت
کرتا ہے اور ان کی مخالفت کو ان کی ترقی کے لئے
کھاد بنا دیتا ہے۔

آج ہم بھی قرآن کریم کی زبان میں اپنے مخالفین
سے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو! اگر ہم گمراہ ہیں تو تمہیں پریشان
ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی وہ تشریح جو ہم
پیش کرتے ہیں اگر وہ غلط ہے تو جائز اور پُر امن
طریقوں سے تم سچائی کا پرچار کرو۔ اور اس طریق سے
حق خود بخود باطل پر غالب آجائے گا۔ لیکن تمہاری
فطرت یہ تسلیم کرتی ہے کہ احمدیت کی تعلیم اتنی قوی اور
معقول ہے اور اتنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ
دلائل سے اسے مٹایا نہیں جاسکتا تو پھر سمجھ لو کہ ہماری
اس برتری کا موجب وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست پیشگوئیوں کے
مطابق ہماری طرف نازل کی ہے اور انشاء اللہ جلد یا
بدیر دُنیا میں احمدیت کا ہی بول بالا ہوگا۔ چونکہ قرآن کریم
کا یہ اصول یقیناً یقیناً سچا ہے کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ
الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا +

"قرآن مجید کے مفسرین اور ان کے مختصر حالات" (بقیہ صفحہ ۵۵)

ثابت ہوتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید خدا کا
کلام ہے۔ اور اسی کو مان کر انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے
اور دُنیا بھی اسی کو مان کر سُدھر سکتی ہے۔

دل چاہتا ہے کہ اس تفسیر کو بار بار پڑھا جائے۔ بلکہ
جس آیت کی تفسیر کو پڑھنا شروع کیا جائے اس کے چھوڑنے
کو دل نہیں چاہتا۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کل العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

کہ قرآن مجید تمام علوم کا منبع ہے لیکن لوگوں کی عقول کو
اس بات تک رسائی نہیں۔ یہ صداقت اگر آج کسی نے مشاہدہ
کرنی ہو تو تفسیر کبیر کا مطالعہ کرے +

جماعتِ احمدیہ اشاعتِ قرآن کریم کیلئے کتنا کام کر چکی ہے

اور

آئندہ کیا پروگرام ہے

از جناب صاحبزادہ میاں عبد المنان صاحب عمر ایم۔ اے انچارج شعبہ تالیف و تصنیف تحریکِ جدید

آج انسانیت مختلف نظریات اور متضاد نظامِ حیات کی تاریکیوں میں گھری ہوئی ہے۔ مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور سرمایہ و محنت کی باہمی آویزش نے ترقی پسند دنیا کے مذہبی رجحانات میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ مذہبی لٹریچر اُن کی توجہات کا مرکز بن رہا ہے اسلامی تعلیمات سے متعلق روز بروز ان کی دلچسپی بڑھ رہی ہے اور وہ ایک ایسی روشنی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں جو انہیں موجودہ سیاسی تحریکات کے مہیب گرداب سے نکال کر بسلامت ساحلِ مراد تک پہنچائے اور حقیقی نجات سے ہمکنار کرے۔

آج سے تیرہ سو سال قبل فاران کی چوٹیوں سے ایک بدرِ منیر اپنی دلربا شان میں طلوع ہوا۔ یہی وہ نور تھا جس کی روح نواز کرنوں میں انسانیت نے اپنے بلند ترین نصب العین کو حاصل کیا اور یہی وہ ضابطہ اخلاق ہے جو ہماری دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کا کفیل بن سکتا ہے جسے دُنیا کے سب سے بڑے محسن اور نجات دہندہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے گمراہ انسانیت کے سامنے پیش کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ اُولیٰ کا تعلق "تکمیلِ شریعت" کے ساتھ تھا۔ تا بکھرے ہوئی صداقتیں دستورِ اساسی کے طور پر ایک سلک میں مربوط ہو جائیں۔ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے رسولِ عربی (فداہ امی وابی) صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود کے ذریعہ اس عظیم الشان کام کو علی الوجہ الاتم پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اور ہمیں اُن روحانی خزائن سے روشناس ہونے کی سعادت بخشی حتّٰی کہ مستشرقینِ یورپ بھی ہماری تاریخ کو پڑھ کر فرطِ حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ پھر تیرہ سو سال کے طویل عرصہ کے بعد آپ کی بعثتِ ثانیہ کا ظہور ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ کے لئے مبعوث ہوئے اور "تکمیلِ اشاعت" کا اہم ترین فریضہ آپ کے سپرد ہوا۔ آپ نے جس حسن وخوبی سے اس کام کو سرانجام دیا اور فلسفۂ حیاتِ انسانی کو قرآنی معارف کے ساتھ جس سلیس اور عام فہم اور دلکش انداز میں پیش کیا وہ تاریخِ احمدیت کا ایک کھلا ہوا ورق ہے۔

آج چاردانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے اور مجاہدینِ احمدیت قرآنی دلائل سے آراستہ ہو کر کفر و الحاد کے عظیم مرکزوں میں یلغار کرتے نظر آتے ہیں اور اس کثرت سے قرآنی صداقتوں کی اشاعت ہو رہی ہے کہ

جس کی نظیر گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی۔

جماعت احمدیہ نے آغاز ہی سے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ دنیا کی پیاسی اور تڑپتی روحوں کو حق و صداقت کے اس لازوال سرچشمہ سے شاد کام کیا جائے۔

اب تک دنیا کی جن مختلف آٹھ زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کروائے جا چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔

انگریزی۔ ڈچ۔ سپینش۔ اٹیلین۔ پولش۔ فرنچ۔ جرمن۔ گورمکھی۔

اس وقت ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے ہالینڈ میں قرآن مجید کے ڈچ، جرمن اور انگلش تراجم مع متن طبع کروائے جا رہے ہیں۔ متن کی کتابت ایک بلند پایہ خوشنویس سے کروائی گئی ہے اور اسکے بلاک ہزاروں روپیہ کے صرف سے یورپ میں تیار کروائے گئے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی انگریزی تفسیر پندرہ پاروں تک شائع ہو چکی ہے۔ قابل علماء اور انگریزی زبان میں اعلیٰ مہارت رکھنے والے جدید علوم سے آراستہ افراد پر مشتمل ایک بورڈ اس کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے۔ نیز علوم قرآنیہ پر مشتمل لاکھوں صفحات کا لٹریچر دنیا کے چالیس ملکوں میں ہر سال کثیر تعداد میں پھیلایا جاتا ہے۔

اس اہم کام کے علاوہ جو بنیادی کام جماعت احمدیہ نے سر انجام دیا وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تحریر کردہ اردو "تفسیر کبیر" کی اشاعت ہے۔ یہ تفسیر قرآنی علوم کا ایک بحر ذخار ہے جس میں مختلف علوم کے دریا بہتے نظر آتے ہیں۔ یہ ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس سے قرآن کریم کے متعلق ادق ترین مقامات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ آئندہ قرآنی علوم کی اشاعت کے لئے یہ تفسیر ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں جماعت اس روحانی خزانہ کی اشاعت میں جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

آئندہ کے لئے ہمارے عزائم خدا کے فضل سے بہت بلند اور ہمارے مقاصد بہت ارفع و اعلیٰ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی ملک قرآن کی دولت سے محروم نہ رہے اور یہ دلنواز پیغام ہر شخص کے لئے سامع نواز ہو اور اسے اسلام سے قریب تر لانے کا موجب۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر کئی ایک زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا کام شروع ہے جو پوری تندہی سے ہو رہا ہے علاوہ ازیں دنیا کی اور بہت سی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کروانے کے انتظامات زیر غور ہیں جنکو تکمیل کے بعد جلدی منظر عام پر لانے کا خیال ہے۔ اسی طرح علوم قرآنیہ سے متعلق لٹریچر اس کثرت سے شائع کرنیکی تجاویز زیر غور ہیں۔ تا کوئی ملک بھی اس روحانی اور علمی دولت سے محروم نہ رہے اور خدا کا نام اس وسیع کائنات کے ہر گوشہ میں پوری شان سے بلند ہو اور ہر طرف اس کے نام لیوا ہی نظر آئیں۔

بہر حال ہماری مساعی کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے ہے۔ اس تمام تگ و دو جد و جہد سے مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ قرآنی علوم سے آگاہ ہوں، اس کے معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ پر وسیع رنگ میں ان کی نظر پڑے، اسکے محاسن سے ان کے قلوب ایک روحانی حلاوت محسوس کریں اور زندہ خدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا ہو جائے اور زیاں کار دنیا ایک دفعہ پھر اپنے خالق و مالک کے قدموں میں جا گرے اور قعر مذلت میں گرے ہوئے بام رفعت پر سرفراز ہوں۔ وہ حیوانوں سے انسان اور انسان سے با اخلاق اور با اخلاق سے باخدا انسان بن جائیں ؛

قرآن پاک میں قانونِ وراثت کے متعلق اصولی ہدایات

(از جناب مولانا ارجمند خان صاحب پروفیسر دینیات تعلیم الاسلام کالج لاہور)

تمہید

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان پر احسانِ عظیم فرمایا ہے کہ اُس نے عاجز بندوں کی رہنمائی اور فلاح کے لئے قرآن مجید کے ذریعہ زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اصولی ہدایات نازل فرمائی ہیں حتیٰ کہ حقوق بعد الممات کے بارے میں بھی واضح قرآنی احکام موجود ہیں۔

مثلاً اگر ایک طرف دنیوی زندگی میں حقوق الزوجین کے بارے میں وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کا ارشاد موجود ہے جس میں خاوند کے بیوی پر اور بیوی کے خاوند پر حقوق کا ذکر ہے، تو دوسری طرف یہ اصولی ہدایت بھی موجود ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد جس طرح خاوند ورثہ پانے کا حقدار ہے اسی طرح بیوی کو بھی اپنے شوہر کے متروکہ مال میں سے حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔

اب میں اس مختصر تمہید کے بعد اصل مضمون کیطرف رجوع کرتا ہوں

ورثہ کے معنی اور ورثہ کی قسمیں

وفات یافتہ (میت) شخص کا وہ متروکہ مال جو اس کے پسماندگان میں قرآنی ہدایات کے مطابق بحصہ رسدی تقسیم کیا جاتا ہے ورثہ کہلاتا ہے۔

وارثوں کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو علم میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ جن کو عصبہ کہتے ہیں۔

ذوی الفروض وہ ورثاء ہیں جنکے معیّن حصّے قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

اور عصبہ وہ وارث ہیں جو میّت کے جدی اور خونی رشتہ دار و اقارب ہوں۔ وہ سارے باقی مال کے وارث ہوتے ہیں۔ عصبہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو اور تنہا عورت عصبہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر مرد عصبہ کے ساتھ کوئی عورت شریک ہو تو وہ بھی اس مرد کی وجہ سے عصبہ بنے گی۔ مثلاً اگر میّت کے بیٹے کے ساتھ میّت کی لڑکی بھی ہو تو وہ لڑکی بھی عصبہ بنے گی اور اگر لڑکی تنہا ہو تو وہ ذوی الفروض میں شمار ہوگی عصبہ نہ ہوگی۔

عصبہ وارث کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جو مال متروکہ ذوی الفروض کے حصّوں سے اور وصیت و قرض کی ادائیگی سے بچے وہ تمام کا تمام مال ان ورثاء کو ملتا ہے جو عصبہ کہلاتے ہیں۔

وراثت کے متعلق قرآن مجید کی پہلی اصولی ہدایات

وراثت کا مضمون سورۃ النساء (رکوع ۱ و ۲ میں تفصیلی ہدایات کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس بارے میں پہلی اصولی ہدایت یہ ہے کہ کسی وفات یافتہ شخص کی جائداد میں سے جس طرح اسکے قریبی رشتہ دار مردوں کو حصّے ملتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی درجہ بدرجہ اس ورثہ میں حقدار ہوتی ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآنی قانونِ شریعت کی رُو سے عورت

بھی مرد کے ساتھ شریکِ ورثہ ہے اور محروم الارث نہیں۔

قرآن پاک کی اصولی ہدایات میں یہ ایک ایسی زرّین اصل ہے جس کے ذریعہ وراثت کے متعلق عورتوں کے تمام واجبی حقوق کی حفاظت و نگہداشت فرمائی گئی ہے اور اس سے عورت اور مرد دونوں صنفوں کے درمیان مساوات اور انصاف کی ایک مستحکم بنیاد ڈالی گئی ہے۔ حالانکہ اہلِ عرب کے قدیم رواج کے مطابق ورثہ میں سے کوئی حصہ عورتوں کو نہیں ملتا تھا۔ حصہ ملنا تو کجا یہ مظلوم طبقہ اُناث اس وقت تو ایک مالِ ورثہ کے طور پر مردوں کے تصرّف میں آ جاتا تھا۔ اسلام کی فیاضانہ ہدایت نے ایک دیرینہ اور ظالمانہ رسم کو موقوف فرما کر عورت کو مرد کے ساتھ ورثہ لینے میں قانونی طور پر حصہ دار قرار دیا۔

قرآن کریم کی بے شمار امتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تعلیم نے عورتوں کے تمام حقوق کی (ورثہ کے متعلق ہوں یا دیگر امور کے متعلق) پوری پوری حفاظت فرمائی ہے۔ ایسی حفاظت جس کی نظیر دنیا کی کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب میں نہیں مل سکتی۔

وراثت کی بناء تین قسم کے تعلقات ہیں!

قرآن مجید نے اصول میں استحقاقِ وراثت کی بنیاد مندرجہ ذیل تعلقات پر رکھی ہے:۔

اوّل۔ وہ تعلقِ قرابت جو میّت کو اپنی نسل (اولاد) سے ہوتا ہے۔

دوم۔ وہ تعلقِ قرابت جو میّت کو اپنی اصل (والدین) سے ہوتا ہے۔

سوم۔ تعلقِ زوجیت جو خاوند اور بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔

ان تین قسم کے ورثاء کو ایک ہی وقت میں میّت کے متروکہ مال میں سے ورثہ کا حق حاصل ہے اور ان میں کوئی دوسرے کے حق میں روک نہیں بنتا۔ مثلاً اگر زید نامی شخص وفات پا جائے اور اس کے بعد اس کی بیوی ہو، ماں باپ ہوں اور اولاد ہو تو تینوں قسم کے وارثوں کو ورثہ میں سے مقررہ حصہ ملے گا۔ اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی موجودگی میں محروم الارث نہ ہو گا۔

ایک اور بات بھی یہاں سے معلوم ہوتی ہے کہ جہاں میّت اور وارث کے درمیان خونی قرابت کا تعلق ہے جیسا کہ میّت اور اس کی اولاد کے درمیان ہوتا ہے یا جیسا کہ میّت اور اس کے ماں باپ کے درمیان ہوتا ہے اس صورت میں ان زیادہ قرب رکھنے والے وارثوں کی موجودگی میں کسی اور قریب کو ورثہ نہیں ملے گا۔ ہاں ان کی عدم موجودگی میں انکے توسط سے دوسرے درجہ کے اقارب کی طرف ورثہ منتقل ہو جائے گا۔ مثلاً میّت کے باپ کی موجودگی میں دادا کو ورثہ نہیں مل سکتا اور نہ ہی میّت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو ورثہ ملنے کا کوئی تعامل موجود ہے۔ گویا اس کی بنیاد الاقرب ثم الاقرب کے قول پر ہے۔ یعنی جو رشتہ دار میّت کے زیادہ قریب ہے وہی ورثہ لینے میں زیادہ مستحق ہے۔

اور جہاں تعلق زوجیت کی بنا پر ورثہ ملتا ہے جیسا کہ خاوند کے مرنے پر بیوی کو اور بیوی کے مرنے پر خاوند کو ورثہ ملتا ہے تو اس صورت میں استحقاق وراثت زوجین تک محدود ہوتا ہے۔ ان کے واسطے سے کسی اور رشتہ دار کو ورثہ نہیں مل سکتا۔ مثلاً اگر خاوند کے مرنے کے بعد بیوی زندہ ہو تو خاوند کے

ورثہ میں سے اس کو مقررہ حصہ ملیگا اور اسی طرح خاوند کو بیوی کے بعد اپنا مقررہ حصہ ورثہ میں ملے گا۔ مگر یہ نہیں کہ خاوند کے مرنے کے بعد اگر بیوی زندہ نہ ہو تو بیوی کے ماں باپ کو اس کا وہ حصہ منتقل ہو جائے یا بجائے خاوند کے خاوند کے ماں باپ کو بیوی کے ورثہ میں سے کچھ ملے۔

اب تینوں قسموں کے ورثاء کی مختلف حالتیں ہیں۔ ہر ایک حالت کے متعلق قرآن کریم نے جُدا جُدا ہدایت فرمائی ہے۔

قسم اول کے ورثاء کی چار حالتیں اور انکے متعلق ہدایات

اولاد کے وارث ہونیکی صورت میں اگر میت کے لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہوں تو ان میں تقسیم ورثہ کے لئے یہ ہدایت اور قانون ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دو چند ہو۔ اور اگر صرف لڑکے ہوں تو برابر طور پر ساری جائداد ان میں تقسیم کی جائے (گو یہ مؤخر الذکر پہلو قرآن مجید میں صراحۃً مذکور نہیں لیکن اسلوب قرآن مجید سے یہی ہدایت معلوم ہوتی ہے) اور اگر صرف لڑکیاں وارث ہوں تو اگر ایک لڑکی ہو تو کل جائداد کے نصف کی وہ لڑکی مالک ہوگی اور باقی مال میت کے دُور کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو وہ سب مساوی طور پر دو تہائی جائداد لیں گی اور باقی ایک تہائی دُور کے رشتہ داروں کو ملے گی۔

(نوٹ) مذکورہ بالا طریق تقسیم صرف اس حالت میں ہے جہاں اولاد کے ساتھ میت کے ماں باپ، شوہر یا بیوی ورثہ لینے والے نہیں۔

قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق ماں باپ کی وراثت کی صورتیں

قرآن کریم کی رو سے ماں باپ کی وراثت کی تین صورتیں ہیں اور ہر صورت کے متعلق الگ الگ ہدایت ہے

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ میت کے وارث ماں باپ ہوں اور ان کے علاوہ اولاد بھی وارث ہو۔ اس صورت میں ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو متروکہ جائداد کا چھٹا حصہ ملیگا اور باقی تمام مال اولاد کو دیا جائیگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ میت کے ماں باپ ہوں اور اولاد کوئی نہ ہو۔ اس صورت میں ماں کو ایک تہائی مال ملیگا اور باقی دو تہائی باپ کو (بوجہ عصبہ ہونیکے) ملے گا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد نہ ہو مگر میت کے بھائی ہوں۔ اس حالت میں ماں کو چھٹا حصہ ملیگا اور اکثر علماء کے نزدیک باقی سارا مال باپ کو ملیگا۔

سوم قسم ورثاء کے حصص کا بیان

وہ ورثاء جو تعلق زوجیت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں نہ کہ خونی قرابت کی بناء پر ان کی مندرجہ ذیل چار حالتیں ہیں:۔

اوّل۔ اگر وفات یافتہ بیوی کی اولاد زندہ ہو اور خاوند بھی ہو تو خاوند کو اپنی بیوی کی جائیداد میں سے چوتھا حصہ ملیگا۔ دوم۔ اگر وفات یافتہ بیوی کی اولاد موجود نہیں تو خاوند کو کل مال کا نصف ملیگا۔ سوم۔ اگر شوہر مر گیا ہو اور اس کی اولاد موجود ہو اور اسکی بیوی بھی زندہ ہو تو اس حالت میں بیوی کو کل مال متروکہ کا آٹھواں حصہ ملیگا۔ چہارم۔ اور اگر متوفی شوہر کی اولاد موجود نہ ہو تو بیوی کو کل جائداد شوہر سے چوتھا حصہ ملے گا۔

تقسیم ورثہ کے متعلق ایک اور محکم اصول

قرآن کریم نے تقسیم ورثہ کے متعلق ایک اور محکم اصول بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے

کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے تقسیم ورثہ اور حصص ورثاء کا ذکر فرمایا ہے وہاں یہ تاکیدی حکم بھی موجود ہے کہ تقسیم ترکہ سے قبل وارثوں پر تعمیلِ وصیت اور ادائیگی قرض ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چونکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ کوئی مرنے والا شخص (کلالہ ہونے کی صورت میں) دُور کے رشتہ دار وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کسی قرضہ کا اقرار کرے یا بغیر کسی ضرورت کے محض ورثاء کو ضرر پہنچانے کے لئے قرضہ لے لے یا وصیت کرے۔ اسلئے خدائے علیم و خبیر نے ورثاء کو نقصان سے بچانے کے لئے یہ پُرحکمت ہدایت فرمائی کہ کوئی مرنے والا بوقت مرگ ورثاء کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ کوئی وصیت کرے اور نہ ہی کسی قرضہ کا اقرار کرے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ میت کی اولاد میں سے لڑکے کو لڑکی کی نسبت دُگنا حصہ ملتا ہے اور خاوند بیوی کی نسبت زیادہ حصہ لیتا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

تو اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مُردوں کی ذمہ داریاں عورتوں کی ذمہ داریوں سے بہت زیادہ ہیں۔ اور جن کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں وہ زیادہ رعایت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ مُردوں پر اپنے اخراجات کے علاوہ بیوی اور بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری بھی تو ہوتی ہے۔

کلالہ کے متعلق قرآن مجید کی ہدایات

اکثر علماء کے نزدیک کلالہ اُس میت کو کہتے ہیں (مرد ہو یا عورت) جسکی بوقت وفات نہ اصل ہو نہ نسل یعنی اسکے نہ باپ دادا زندہ ہوں اور نہ اولاد زندہ ہو۔ پس ایسا شخص جو کلالہ ہونیکی حالت میں وفات پائے اسکے ورثاء کے حصص کے متعلق قرآن پاک میں دو جگہ ذکر آیا ہے۔

سورۃ نساء رکوع ۲ میں جہاں کلالہ کا ذکر آیا ہے وہاں اس کے ورثاء کے متعلق مندرجہ ذیل ہدایات ہیں:۔

اوّل۔ اگر کوئی شخص کلالہ ہونیکی صورت میں مر جائے اور اس کا صرف ایک بھائی یا بہن (اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے بھائی اور بہن) ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک کو متروکہ کا چھٹا حصہ ملیگا۔

دوم۔ اگر وہ بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی مال میں وہ سب شریک ہوں گے اور پھر وصیت اور ادائیگی قرضہ کے بعد جو مال باقی رہیگا وہ بیت المال کا حق ہوگا۔

پھر اسی سورۃ نساء کے آخری رکوع میں کلالہ کے ورثاء یعنی اسکے بھائی اور بہنوں (اخیافی یا علاتی یعنی ماں و باپ یا صرف باپ کی طرف سے بھائی اور بہن) کیلئے تقسیم ورثہ اور رنگ میں بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کلالہ کی ایک بہن وارث ہو تو کُل مال کا نصف حصہ اسکو ملیگا اور دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو کل مال کے دو تہائی حصوں کی حقدار ہوں گی۔

اور اگر کلالہ کے وارث صرف بھائی ہوں ایک یا زیادہ تو اس صورت میں کل متروکہ جائداد انکو ملیگی اور اگر کلالہ کے مرنے کے بعد اسکے زندہ بھائی اور بہنیں ملے جُلے ہوں تو سارا ورثہ مرد کو عورت سے دو چند حصہ دیکر تقسیم ہوگا۔

خلاصہ کلام

قرآن مجید کے رُو سے وراثت کے قانون کا یہ مختصر سا خاکہ ہے۔ اِس علم پر بہت طویل تصنیفات موجود ہیں۔ تاہم آپ اِس مختصر بیان سے سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید نے کس پُرحکمت طریق پر مسئلہ وراثت کو بیان فرمایا ہے۔

اسلام کا مسئلہ وراثت جہاں حقدار کو اس کا حق دلاتا ہے وہاں وہ انسانی تمدن اور انسانی قابلیتوں کے بدترین دشمن یعنی سرمایہ دارانہ نظام کا بھی خاتمہ کرتا ہے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العلمین۔

معیاری اسلامی حکومت کیونکر قائم ہو سکتی ہے؟

(از جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

كَمَا تَكُونُونَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ (الحدیث)

جیسے تم ہوگے ویسے تمہارے حاکم بنائے جائیں گے

مکرم ایڈیٹر صاحب (الفرقان) المحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ سے پرسوں شام کو وعدہ کیا تھا کہ کل تک مطلوبہ مضمون فرقان کے لئے بھیج دوں گا۔ مگر کل ہی مجھے سفر جھنگ کے لئے ادھر آنا پڑا اور اب یہیں سے مختصر سا مضمون اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ اس میں صرف حکومت کے بارے میں اصولی باتیں پیش ہوں گی۔ ان بیان کردہ اصول کے پیش نظر اسلامی حکومت کب، کہاں اور کس کس صورت و شکل میں قائم ہوتی اس قسم کی تفاصیل کسی اور موقع پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا لکھ سکوں گا۔

حکومت کے بارے میں مندرجہ ذیل اصولی ہدایات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا قول میں سموئی ہوئی ہیں جو اس بارے میں درحقیقت جوامع الکلم کی شان رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا اوتیت جوامع الکلم مجھے ایسی باتیں دی گئی ہیں جو اپنے اندر جامعیت رکھتی ہیں یعنی ایک ایک فقرہ آپ کے کلام کا حقائق کا خزانہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ زیر عنوان فقرہ حکومت کے بارے میں اصولی حقائق پر شامل ہے اور مندرجہ ذیل اصول اس میں بیان ہیں:۔

اوّل:۔ یہ کہ حکومت کے قیام کا منبع و مصدر دراصل افراد امت ہیں۔ اگر افراد امت اچھے ہوں گے تو ان میں سے قائم کردہ حاکم بھی اچھے ہوں گے اور اگر افراد برے ہونگے تو پھر ان کے حاکم بھی برے ہوں گے۔ افراد کی اچھی یا بری تربیت پر انحصار ہے اچھی اور بری حکومت کا۔

اس سے پایا جاتا ہے کہ حکومت کے اولین فرائض میں سے ہے کہ اگر وہ اپنے لئے استواری، مضبوطی اور دوام چاہتی ہے تو تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے رعایا میں اچھے اخلاق پیدا کرے تا ان میں سے جو حاکم بنیں وہ بھی اچھے ہوں۔ کما تکونون کذالک یؤمر علیکم۔ کیونکہ رعیت کے افراد جیسے ہوں گے ویسے ہی ان کے حاکم ہوں گے۔

دوم:۔ کسی قوم میں کوئی ظالم اور استبدادی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ یا اگر قائم ہو جائے تو ایسی حکومت کو کبھی دوام اور ہمیشگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر افراد کے اندر آزادی کی روح ہو وہ ظلم و استبداد سے نفرت کرنیوالے ہوں فسق و فجور کو اپنے اندر برداشت کرنیوالے نہ ہوں ظلم و استبداد کی حکومت صرف اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب قوم کے افراد کی اکثریت ظالم، فاسق اور فاجر ہو۔ حاکم مرتشی (رشوت لینے والا) اسوقت ہوگا جب رعیت رشوت دیکر دوسروں کے حق مارنے کے لئے خواہش کرتی ہے۔ اگر وہ رشوت سے نفرت کرنیوالے افراد ہوں تو حاکم کی کیا جرأت ہے کہ وہ رشوت لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا سکے۔ آزادی کی روح سے پروردہ غیور افراد

ایسے ظالم حاکم کے ہاتھ کاٹنے کے لئے فوراً اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ظلم و استبداد پر حکومت اُسی وقت قائم ہوگی جب افراد کی اپنی ذہنیت غلامانہ اور ظالمانہ ہو۔ کما تکونون کذٰلک یؤمر علیکم۔ جیسے تم ہوگے ویسے تمہارے حاکم بنائے جائینگے۔ آزاد اور اعلیٰ اخلاق سے پروردہ قوم کے حاکم بھی آزاد، انصاف پسند اور نیک اخلاق کے مالک ہوں گے۔

اس سے پایا جاتا ہے کہ اگر حکومت کی صورت و شکل ایسی ہے کہ ظلم و استبداد اور فسق و فجور کا اسمیں رواج ہے تو افراد بجائے اسکے کہ حاکموں کے خلاف بغاوت کا عَلم بلند کریں پہلے اپنے اخلاق کی اصلاح کریں اس سے خود بخود حکومت و حکام کی صورت و شکل اصلاح پذیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تاوقتیکہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔ قوم جب اچھے یا بُرے رنگ میں بدلتی ہے تو حاکم بھی اُسی طرح بدلتے ہیں۔

سوم:- زیر عنوان فقرہ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حکومت اصل نہیں بلکہ ظل یعنی عکس ہے اور اسے ثانوی (دوسرے درجہ کی) حیثیت حاصل ہے۔ حاکم تابع ہے اور اُمت متبوع ہے اصل مسئول و جوابدہ اور ذمہ دار خود قوم کو گردانا گیا ہے۔ اور یہ کہ اُمت کا یہ لازمی حق اور فرض ہے کہ وہ اپنے حاکم اپنی سلامتی اور بہبودی کی خاطر منتخب کرے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مذکورہ بالا کے ماتحت حکومت اسلامیہ شوریٰ کی صورت و شکل رکھتی ہے جیسا کہ قرآن مجید بھی اس بارے میں صراحت فرماتا ہے أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی مسلمانوں کے امور سلطنت باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

چہارم:- کما تکونون کذٰلک یؤمر علیکم کی سنہری ہدایت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جو حکومت افراد کے اپنے فسادِ اخلاق یا انتخاب کے وقت ان کی اپنی غفلت سہل انگاری یا اپنے حقوق سے ان کی جہالت کی وجہ سے قائم ہوتی ہے اور پھر اس ناقص حکومت کے قائم ہونے کی وجہ سے افراد کو اس کے بدنتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو انہیں اپنے کردار کی سزا لامحالہ بھگتنی پڑے گی۔ اس کی شکایت اور اس پر واویلا عبث ہے۔ جو کسان اپنے کھیت میں جَو بوئے گا وہ جَو کاٹے گا، اپنے کئے کا نتیجہ وہ ضرور دیکھے گا۔ کما تکونون کذٰلک یؤمر علیکم۔ اگر مشورہ و انتخاب کے وقت حرص و لالچ، تعصب اور جنبہ داری جیسے محرکات افراد میں کارفرما ہوں گے اور وہ صلاحیت و اہلیت کو بوقتِ انتخاب پس پشت ڈالنے والے ہونگے اور خدا تعالیٰ کے اس صریح حکم کو نظر انداز کریں گے أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا کہ جو لوگ امور سلطنت کی امانتوں کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتے ہیں انہیں وہ امانتیں سپرد کرنی چاہئیں۔

اگر اس واضح حکم باری تعالیٰ کی نافرمانی کیجائیگی تو پھر اسی قوم کو اس نافرمانی کے بدانجام کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اسے اس کا گلہ کیوں کہ حاکم رشوت لینے والے ہیں۔ نا انصاف، ظالم اور فاسق و فاجر ہیں۔ انتخاب کرنے والے افراد جب خود ہوا و ہوس میں اندھے ہیں تو ضرور ہے کہ اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھائیں اور گڑھے میں گریں۔ کما تکونون کذٰلک یؤمر علیکم۔ کیا پُرحکمت کلام ہے جو سیاست کا ایک مکمل ضابطہ چند الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ تا اُمت میں سے حاکم و محکوم دونوں اسے اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنائیں۔

عالمِ طیور، خالقِ کائنات کی قدرتوں کا عجیب کرشمہ ہے!

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

ذیل کا مضمون ہمارے ایک بزرگ نے انگریزی رسالہ Reader's Digest سے ترجمہ کرکے جناب ناظر صاحب تعلیم و تربیت کی معرفت عنایت فرمایا ہے۔ اس مضمون کو رسالہ مذکور اور مترجم بزرگ کے شکریہ کیساتھ شائع کیا جاتا ہے۔
عالمِ طیور (پرندوں کی دنیا) اتنا دلچسپ اور حیران کن موضوع ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کے عادی انسان کے لئے تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں قدرتِ خداوندی کے لامتناہی سبق موجود ہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی بے عیب صنعت کاری پر دلالت کر رہی ہے۔ پرندوں کے سلسلہ میں ذیل کا دلچسپ مضمون پڑھ کر آپ اپنے اندر قدرت کی نیرنگیوں پر اطلاع حاصل کرنے کی ایک نئی جستجو محسوس کریں گے۔ (ایڈیٹر)

خلقتِ طیور ایک بڑا معجزہ ہے

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز انسانی فہم سے بالا ہوتی ہے اور اپنی حکمتوں اور رمزوں سے انسانی عقل کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ عملی سائنس کی ابتداء میں کسی کوتاہ بین نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانی بنایا۔ انسان نے بھی ہائیڈروجن آکسیجن ملاکر پانی بنالیا۔

یہ خیال نہ کیا ہائیڈروجن اور آکسیجن تو انسان نہیں بنا سکا۔ اب ہائیڈروجن کی بناوٹ نے انسان کو حیرت میں ڈال رکھا ہے اور آگے تحقیقات کے لئے ایک ناپیدا کنار سمندر نظر آرہا ہے۔

مشاہدات و محسوسات کی تحقیق و تدقیق میں انسان نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ آخر اب ہر شعبہ کی انتہائی تحقیقات نے ایک دھندلی سی جھلک صانعِ حقیقی کی طرف دکھلائی ہے کہ یہ کارخانہ اتفاقی نہیں۔

مدبرِ کل کائنات کو نہایت کڑی نگرانی میں چلا رہا ہے کہ کہیں بھی کسی قسم کی اونچ نیچ نہیں ہونے پاتی۔ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کی باریک سے باریک حرکات و تغیرات نہایت مناسب و پُرحکمت حدود میں رہ کر خالق کی تسبیح و تحمید کر رہے ہیں کہ انسان اپنے نفس کے اندر اعتدال پیدا کرے۔

دیکھنے والے یہ پُرعجائب تماشے ہر طرف دیکھتے ہیں ان غور کرنے والوں نے خلقتِ طیور کے کچھ عجائبات امریکہ کے ایک رسالہ مشتری (Mercury) میں چھاپے ہیں۔ جس کا خلاصہ ریڈرز ڈائجسٹ (Reader's Digest) سے لیکر ناظرین الفرقان کے لئے ذیل میں پیش ہے۔

علمِ طیور کے ایک ماہر ایلئٹ کوئز (Elliot Coues) فرماتے ہیں کہ طیور مجھے ستاروں سے کم عجیب نظر نہیں آتے۔ ان پرواز عجائبات کے متعلق تھوڑا سا علم بھی انسان کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔

تخلیق طائر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خیال یعنی سہولتِ پرواز کو بہت مدنظر رکھا گیا ہے۔ فضاءِ آسمانی کی زینت یہ مخلوق ہوا میں تیرنے والی بلکہ مجسم ہوا تیر کی طرح جھپٹنے والی اور تیزی نظر میں یکتا ہے۔ انسان جب طیور کی ان صفات پر غور کرتا ہے تو خود اس کی روح میں ایک پرواز پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ اللہ! کیا حکمتیں اس میں بھر دی ہیں۔

طائر کے دماغ ہی میں پرواز کا شدید میلان ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر غیر معمولی طور سے تیز ہوتی ہے ہمیں تو طائر کی آنکھ کا صرف تھوڑا سا حصہ نظر آتا ہے اور ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ طائر کا یہ عضو کس قدر اہم ہے۔ حقیقت میں طائر کی آنکھ اس قدر بڑی ہوتی ہے کہ اس کے کاسۂ سر میں آنکھوں کے سمانے کی گنجائش مشکل نکلتی ہے۔ بہت سے بازوں اور اُلّوؤں کی آنکھیں ہماری تمہاری آنکھوں سے بڑی ہوتی ہیں۔ آنکھوں کی غیر معمولی بڑائی سے دماغ کی اہمیت کم نظر آتی ہے کہ وہ کاسۂ سر کے پچھلے حصہ میں دب کر رہ جاتا ہے۔

بہت سے پرندوں میں آنکھوں کا وزن دماغ کے وزن سے زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں تو ایک آنکھ کا وزن بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان آنکھوں کیلئے ایک تیسرا پپوٹا ہوتا ہے جو ہوا کے مقابلہ پر صفائی چشم کے لئے اندر باہر آتا جاتا ہے جبکہ پرند بلند آسمان میں تیزی سے اُڑ رہا ہوتا ہے

اُلّو اندھیرے جنگلوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اپنی نظر سے جو مدھم روشنی میں ہماری آنکھ سے دس گنا زیادہ دیکھتی ہے۔ ایک شہباز جب اپنے شکار کو دیکھنے کے لئے درخت پر بیٹھتا ہے تو اس کی نظر اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے شکار کو ایک میل سے زیادہ فاصلہ سے دیکھ لیتا ہے۔ درختوں کی چھال میں سے کیڑے نکال لینے کے لئے ہُدہُد کی زبان لمبی اس کے سر کے نیچے مڑی ہوئی اور سر میں آنکھوں کے نیچے جڑی ہوتی ہے۔

بہت سے سمندر کے کنارے رہنے والے پرندوں کی حس وقت کے متعلق ایسی برجستہ ہوتی ہے کہ جب وہ ملک کے اندرونی حصوں میں جاتے ہیں تو مدّوجزر کے لحاظ سے ٹھیک عین وقت پر اپنی خوراک کے لئے واپس پہنچ جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چڑیاں جو جھاڑیوں میں رہتی ہیں ان میں زندگی کی طاقت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ان کا دل ایک منٹ میں پانچ سو حرکت کی دوڑ لگاتا ہے بعض پرندوں کے جسم کا درجۂ حرارت ۱۱۰ درجہ تک ہوتا ہے۔ رسکن (Ruskin) نے کچھ زیادہ مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ جبکہ اسنے پرندے کو پر لگی ہوئی موج ہوا کہا۔ پرندہ جب سانس لیتا ہے تو ہوا اس کے پھیپھڑوں ہی تک نہیں جاتی بلکہ زیادہ گہرائی میں تو تھیلیوں میں بھی بھرتی ہے جن میں سے بعض میں ہوا کی ایسی نالیاں ہوتی ہیں جو ہڈیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ ایک دودھ پلانے والے جانور کی ہڈی بھاری اور ٹھوس ہوتی ہے۔ پرندہ کی ہڈی اندر سے خالی اور جالی دار اسفنج کی طرح دب سکتی اور اُبھر سکتی ہے کہ پرندہ جب سانس لے تو اس میں ہوا بھر جائے۔

کاسۂ سر کو بھی کھوکھلا ہی بنایا ہے۔ سر کی ہڈیاں ہلکی پھلکی پلیٹیں ہوتی ہیں اور اگلے حصہ کو ہلکا کرنے کیلئے قدرت نے پرندوں کے دانت نہیں رکھے جن کیلئے بھاری جبڑوں اور گوشت کی مچھلیوں (Mushlin) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پچھلے حصہ کو ہلکا رکھنے کیلئے دُم کے تمام پر صرف ایک ہلکی چھوٹی ہڈی میں جوڑ دیئے ہیں۔ اسی اصول پر ہوائی جہاز کی دُم ہوتی ہے۔

پھر اپنے وزن اور پھیلاؤ کے لحاظ سے قدرت کی چیزوں میں سب سے زیادہ ہلکے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ بظاہر پر ایک پتلی لمبی ڈنڈی نظر آتی ہے جس کے دونوں

طرف ریشے پھیلے ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اس سے بہت کچھ زیادہ چیز ہیں۔ ان ریشوں کے دونو طرف اندر ریشے نکلے ہیں۔ اور اپنی ذات میں یہ بھی ایک قسم کے چھوٹے پر ہوتے ہیں جن کی طرفوں سے اور بھی بیشمار ریشے نکلے ہوتے ہیں۔ خوردبین سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چھوٹے ریشوں سے اور بھی بیشمار چھوٹے ریشے نکلے ہوتے ہیں جن پر حدِ شمار سے زیادہ تعداد پیچ دار بالوں کے کانٹے لگے ہوتے ہیں اور ریشے ان کانٹوں کے جال سے گھرے ہوتے ہیں۔ ایک پر میں یہ بڑے چھوٹے ریشے مل کر تعداد میں دس لاکھ سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

پرندہ کا جسم اس طرح بنا ہے کہ ہوا میں اُڑتے ہوئے ہوا کی روک برائے نام رہ جاتے اور اسکے ساتھ اسکے جسم کی ہڈیاں تمام جانداروں کی ہڈیوں سے زیادہ سخت بنائی گئی ہیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے ملے ہوتے اور جڑے ہوتے ہیں کہ مرکزی لمبی ہڈی اور بھی زیادہ سخت رہے۔ ریڑھ کی ہڈی اور پسلیاں اور سینہ کی ہڈی مل کر ایک ایسا پنجر بناتی ہیں جس کی مضبوطی کا مقابلہ اور جانوروں کے پنجر سے نہیں کیا جا سکتا۔ پرندوں کی پسلیاں مضبوط پٹھوں کے تسموں سے ریڑھ کی ہڈی اور سینہ کی ہڈی سے جڑی ہوتی ہیں۔ شانہ کی چوڑی ہڈی گلے کی ہڈیوں سے جڑ کر مضبوط رہتی ہے جو آگے دو شاخہ ہڈی سے پیوست ہو کر قائم رہتی ہے۔ اس کے نیچے بیچوں بیچ وہ کنگارا اٹھی ہوتی ہے جس پر وہ گوشت کی مچھلیاں بڑھی ہیں جو پروں کو حرکت دیتی ہیں۔ اور یہ اس قدر زیادہ ہوتی ہیں کہ بعض پرندوں میں تمام جسم کے چوتھائی وزن سے زیادہ ان کا وزن ہوتا ہے۔

پرندہ جب اُڑتے ہوئے اپنے بازوؤں کو نیچے کی طرف حرکت دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کشتی کی طرح کھیتا ہوا اپنے آپ کو ہوا میں آگے دھکیل رہا ہے لیکن ایک اعلیٰ رفتار کیمرہ سے تصویر لینے پر معلوم ہوا کہ دراصل ایسا نہیں ہے۔ پرندہ ایک قدرت کا بنایا ہوا چھوٹا سا ہوائی جہاز ہے۔ نیچے حرکت کرنے پر ہر پر آگے بڑھتا ہے۔ پر کے اندر کا آدھا حصہ قریباً سخت ہوتا ہے۔ اس کا اگلا کنارہ ہوائی جہاز کے پر کے اگلے کنارہ کی طرح کچھ ڈھالو ہوتا ہے اور اوپر کی سطح پروں کے ذریعہ گولائی لئے ہوتی ہے۔ پر کا باہر کی طرف کا نصف حصہ کلائی سے چلتا ہے جو پر کی لمبائی کے بیچ میں ہوتی ہے۔ پر ہلانے کے وقت بازوؤں کے سروں پر جو ابتدائی پر ہوتے ہیں وہ پہلے باہر نکلتے ہیں۔ اور بازوؤں کے ساتھ قریباً زاویہ قائمہ بناتے ہوئے کھڑے ہوتے اور اس مشین کے لئے پروپیلر (دھکیلو) بن جاتے ہیں۔ اندر کے نصف بازو جو اسوقت گولائی لئے ہوئے ترچھے ہو جاتے ہیں وہ اس طرح قائم رہتے ہیں جس طرح ہوائی جہاز کے پر قائم رہتے ہوئے جہاز کو اوپر اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ہوا سے اترتے اور چڑھتے ہوئے پرندہ اپنے اُن خاص پروں کے ذریعہ لڑکھڑانے سے بچتا ہے جو اس کی کلائی کے کنارے پر ہوتے ہیں۔ یہ پر کھڑے ہو کر اُڑنے والے سروں کے درمیان ہوا کو اس طرح روکتے ہیں کہ پرندے بغیر دھکے کے ہوا میں چڑھتے اُترتے ہیں۔

اُڑان میں پرندوں کے کرتب ایسے عجیب ہیں کہ ان پر یقین آنا مشکل ہے۔ مثلاً ایک باز جب بٹیر کے شکار پر جھپٹ رہا ہوتا ہے تو بٹیر اپنے بچاؤ کے لئے یکلخت ایک جھاڑی پر صرف پانچ چھ فٹ ہی کی بلندی سے ڈھیلا کی طرح گرتا ہے مگر اسکے

جھاڑی میں پہنچنے سے پہلے باز بجلی کی کوندی کی طرح اسکے نیچے پہنچ جاتا اور الٹا ہو کر بٹیر کو پنجوں میں لے لیتا ہے۔ پھر سیدھا ہو کر زناٹا بھرتا ہوا اوپر ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔

چھوٹی چڑیاں پکڑنے والا شکرہ انتہائی تیزی کے ساتھ اُڑتے ہوئے بھی اگر کوئی روک اچانک سامنے آجائے تو بغیر ٹکرائے پورے طور سے مُڑ جاتا ہے۔ افریقہ کا باز سو میل سے زیادہ کی رفتار سے جھپٹتے ہوئے بھی اپنے آپ کو صرف بیس فٹ کے فاصلہ کے اندر پر اور دُم پھیلا کر اس طرح پورے طور سے ٹھہرا لیتا ہے کہ انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

پرندہ ہوا سے اُترتے ہوئے اپنے پیروں پر ٹھہرتا ہے جو تین ہڈیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ یہ ہڈیاں آپس میں ایسے جوڑوں سے ملی ہوتی ہیں جو مخالف سمتوں میں گھوم سکتے ہیں۔ دھکا روکنے کے لئے غالباً یہی طریقہ قدرت کا بہترین ہے۔

جب نر اپنا گیت اس انداز شان سے نکالتا ہے کہ گویا حدِ نظر تک ملک اسی کا ہے۔ اس کی مادہ اس کے پاس آجائے تو یہ آواز حلق کے ایک غیر معمولی عضو سے نکلتی ہے۔ اس عضو میں ایک مڑی ہوئی ہڈی ہوتی ہے جس میں سے ایک جھلی نکلتی ہے جو بڑے پیچیدہ پٹھوں کے ذریعہ سکڑ کر اور کھل کر اس سوراخ کو حسب ضرورت کھولتی اور بند کرتی ہے جس سے پھیپھڑوں کی ہوا یہ خوشی کا راگ الاپتی ہے۔

موسم بہار میں مادہ کو کوشش کرنے والے گیت گائے جاتے ہیں جن سے جذبات اُبھر کر فطرت کے سب سے زیادہ عجیب اور سب سے زیادہ خوشکن مراسم ادا ہوتے ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چڑیوں میں غیر معمولی دلآویزی پیدا ہو جاتی ہے جس سے نر مادہ کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ کس خوبی سے نر سورج مکھی کے بیج چونچ میں لے کر مادہ کے پاس اُڑ کر پہنچتا ہے۔ اگر مادہ اس پر خوش نہ ہو تو وہ اَور لبھانے والی حرکات کرتا ہے۔ ایک ایک بیج نکال کر اسکے سامنے رکھتا ہے کلغی والا چھوٹا پرندہ خاص طور سے پَر پھڑپھڑا کر مادہ کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ اور سارس ناچتے ہیں۔ جنگلی مرغ گھومتا ہوا سیدھا اُوپر ہوا میں اُڑ کر پَروں سے ہوا دیتا اور ایک ایسی محبت بھری آواز نکالتا ہے جو بھلائی نہیں جا سکتی۔

پرندوں کے گھونسلے اکثر ایسی کاریگری سے بنائے جاتے ہیں کہ یہ یقین کرنا ناممکن ہوتا ہے کہ یہ کاریگری پرندوں کے فطرتی شعور کا نتیجہ ہے لیکن ہوتا ایسا ہی ہے۔ سائنس سے حال میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گھونسلے بنانے کی مکمل کاریگری کم از کم پانچ نسلوں تک بغیر کسی عملی تجربہ کے محض وراثتاً پرندوں میں چلی جاتی ہے۔ بیا چار پشتوں تک مصنوعی حالات میں اس طرح رکھا گیا کہ نہ اس نے گھونسلا دیکھا اور نہ وہ گھاس کے تنکے دیکھے جن سے گھونسلا بنایا جاتا ہے۔ پانچویں پشت میں اسے آزاد کیا گیا تو فوراً بلا بھول چوک کے اس نے اپنے بزرگوں جیسا گھونسلا بنا لیا۔

پرندوں کے بچے جب اپنے عارضی دانت انڈا توڑ کر باہر آتے ہیں تو ان کی خوراک ہضم کرنے کی طاقت حیرت میں ڈالنے والی ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سنہری سینے والی چڑیا (Robin) کا بچہ روزانہ جس قدر کیچوے کھا جاتا ہے ان کی لمبائی چودہ فٹ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اَور چھوٹی گھریلو چڑیا پھدکی

(Wren) کے پھیرے گنے گئے تو معلوم ہوا کہ سورج نکلنے سے لیکر شام تک وہ ۱۲۱۷ دفعہ اپنے بچوں کے لئے غذا لاتی ہے۔ اور چھوٹی پہاڑی مرغابی (Tern) کے بچہ کا وزن کیا گیا تو ۳۱ گرام تھا۔ اور وہ روزانہ ۴۸ گرام غذا کھا جاتا تھا۔ زندہ رہنے کے لئے ویسے ہر پرندہ کو اپنے وزن کا نصف وزن خوراک کیلئے روزانہ درکار ہوتا ہے۔

موسم گرما کے آخری ایام میں پرند بچوں کو بڑا کر کے گھنے جنگلوں میں چلے جاتے اور گانا بند کر دیتے ہیں۔ یہ وقت ان کی کرِیز یعنی پر جھاڑنے کا ہوتا ہے۔ جب پر جھڑتے ہیں تو نہایت باقاعدگی سے ایک گرے ہوئے پر کی جگہ پر جب تک دوسرا پر نکل کر کچھ بڑھ نہ جائے دوسرا پر نہیں گرتا۔ اس طرح پروں کے بدلنے سے پرندوں کو اُڑنے میں کبھی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ جو پرند چمکیلے پروں کے ہیں مثلاً ٹناجر (Tanager) اور بنٹنگ (Bunting) انکے گرمیوں کے پر جبکہ سفر پر جا رہے ہوں بالکل بدل جاتے ہیں۔ چمکیلی پوشاک کی جگہ خاکی سفری رنگ کے پر نکل آتے ہیں۔

خزاں میں یہ پرند سفر کرتے ہیں۔ ان کی اڑان زمین سے ۵۰۰۰ فٹ یا زیادہ بلندی تک ہوتی ہے اور دُوری کے لحاظ سے تو اِس اِس قدر دُور جاتے ہیں کہ یقین نہیں ہوتا۔ بلیک پول (Black poll.) ایک چھوٹی گانے والی چڑیا ہے۔ کناڈا میں گھونسلے بنا کر ۴۰۰۰ میل دُور برازیل اُڑ جاتی ہے سنہرے رنگ کی پلوور (Plover) شمالی قطب کے سمندر کے کنارہ سے تقریباً ۸۰۰۰ میل اُڑ کر ارجنٹائن (جنوبی امریکہ) جاتی ہے۔ سب سے زیادہ سفری چڑیا قطبی۔ چھوٹی مرغابی (Arctic Tern) ہے جو گرمی شمالی قطب کی آخری حد زمین پر گزارتی ہے اور جاڑا قطب جنوبی کے برّ اعظم میں گزارتی ہے۔ یہ آنے جانے کا سفر اس کا ۲۲۰۰۰ ہزار میل کا ہوتا ہے۔

اِن سفروں میں پرند راستہ کیسے معلوم کرتے ہیں؟ حال میں ماہرین نے دریافت کیا ہے کہ پرند سورج کے ترچھاؤ سے جغرافیہ اور غالباً وقت کا بھی اندازہ لگا لیتے ہیں لیکن تحقیقات طلب ایک اور یہ بات ہے کہ پرند اکثر رات کے وقت آسمان میں اڑتے ہیں اُس وقت بے نشان راہ فضا میں وہ اپنا راستہ کیسے پاتے ہیں؟

طائروں کی زندگی کے معجزہ کے سامنے ہمیں بالآخر واٹرٹن (Water ton) کی طرح جو قدرتی اشیاء کا بڑا ماہر و محقق ہے سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔ اس کے سادہ مگر فصیح الفاظ صرف چار ہیں "سوائے تسلیم چارہ نہیں"۔

خدا کی مخلوق کی صنعتیں انسان کب پا سکتا ہے
اقرارِ عجز ہی صحیح مسلک ہے ؎
بتا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز

ایک اور رسالہ ٹائم میں ہے کہ:۔

"بہت سے پرندوں کے راگ انسان کے بھونڈے کانوں کے لئے نہیں بنے۔ کیونکہ ان راگوں کے بعض حصے انسان کے کان سُن بھی نہیں سکتے۔ ان کی لَے کی اٹھان اس قدر اونچی ہوتی ہے کہ انسانی حسِ سماعت اس کے سننے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ مثلاً کنگ لٹ (Kinglet) کے گیت جس طرح دوسرا کنگ لٹ سنتا ہے انسان نہیں سُنتا۔ کیونکہ اس کی آواز کی موجیں اِس قدر

بلند اٹھتی ہیں کہ انسانی کانوں میں نہیں آسکتیں۔"

اس کے علاوہ پرندوں کی شنوائی انسانی شنوائی سے تیز تر ہوتی ہے۔ بعض پرندے آہستہ آہستہ چڑ پڑ تیزی سے بولتے ہیں کہ اُن کے اندر جو سُر ہوتا ہے وہ انسان نہیں سُن سکتا۔ کیونکہ سریلے اجزاء بہت تیزی سے ادا ہوتے ہیں۔ بہت سے پرندے گانے کے ورزشی ہوتے ہیں۔ مثلاً اودا نیل کنٹھ (Blue jay) جو بہت بلند آواز سے گاتا ہے۔ اس کے بلند اور آہستہ سُر ایک ساتھ نکلتے ہیں۔ اور جنگلی چڑیا (Thrush) ایسے چار آواز ایک ساتھ نکالتی ہے۔ ایسی آوازیں انسان نہیں سن سکتا۔ ان کو آلہ صوت (Audiospectrograph) کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں۔ جو آلہ ان کو سُنتا اور فیتے پر لکھتا ہے۔

برکاتِ ظہورِ قرآن مجید

از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ
بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد
ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ
یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا
ویں یوسفے کہ تنہا از چاہ برکشیدہ
از مشرقِ معانی صدہا دقائق آورد
قدِّ ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ
کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد
شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ
آں نیّرِ صداقت چوں رُو بعالم آورد
ہر بومِ شب پرستی در کنجِ خود خزیدہ
روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا
الّا کسے کہ باشد بارویش آرمیدہ
آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف
واں بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ
بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او
بدقسمت آنکہ از وے سُوئے دگر دویدہ
میلِ بدی نباشد الّا رگِ ز شیطاں
آں را بشر بدانم کز ہر شرے رہیدہ
اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی
تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

(براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۲۷۴ سنہ ۱۸۸۲ء)

قرآن مجید کی رُو سے عورت کا مقام

(جناب مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین ربوہ)

اسلام نے اس وقت عورت کے حق میں آواز بلند کی ہے جب اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ عورت کو گھر کی لونڈی سمجھا جاتا تھا۔ وہ بکاؤ جنس کی طرح بازار میں فروخت ہوتی تھی۔ اُسے یہ جرأت نہ تھی کہ مرد کے سامنے بات کر سکے۔ اِس مظلوم طبقہ کے حق میں پہلی مؤثر آواز اسلام نے بلند کی۔ تہذیب و تمدن کے علمبردار یورپ میں سب سے پہلی کتاب جس میں عورت کے حقوق کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے وہ سنہ ۱۷۳۳ء میں لکھی گئی تھی۔

اِس سے پہلے زبان دراز عورتوں کو سزا دینے کے لئے ایک پنجرہ ہوتا تھا جس میں اندر کی طرف کانٹے لگے ہوتے تھے تاکہ سزا پانے والی عورتیں زبان نہ ہلا سکیں۔ مُنہ میں کانٹے دار لگام دی جاتی اور بازاروں میں پنجرہ پھرایا جاتا تھا۔ عدالتیں عورتوں کو الگ ننگا کر کے کوڑے لگاتیں۔ ڈاکٹر بیرنگ لکھتا ہے کہ سنہ ۱۵ء میں عورتوں کے متعلق انگلستان کے سخت قوانین کی وجہ سے عیسائیوں نے نوّے لاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا۔

سنہ ۱۸۳۲ء میں انگلستان میں پہلی دفعہ عورتوں کو حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھیڑ بکریوں سے زیادہ ان کی حقیقت نہ تھی۔

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے طبقہ نسواں کے حقوق مقرر کئے۔ اور اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو سربلندی عطا فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے گھر میں کوئی بات کی۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ نے مشورۃً کچھ عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹ پلائی۔ کہ تم عورتیں کون ہوتی ہو مردوں کے معاملہ میں بولنے والیاں۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ عمرؓ اب اسلام کا ظہور ہو چکا ہے اور اُس نے ہمیں بھی حقوق عطا کئے ہیں ——— آج یورپ نے عورت کو جو نام نہاد آزادی دے رکھی ہے یہ بھی اُن سختیوں کا ہی ردِّ عمل ہے۔ اور اس میں بھی انسان نے اپنی انتہاء پسندی کا مظاہرہ کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یورپ کی اہلی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ یا تو عورت پر سختی کا یہ عالم تھا کہ جانوروں سے زیادہ اس کی حقیقت نہ تھی اور یا آزادی کا یہ عالم ہے کہ آج عورت کی اِس آزادی نے یورپ کے معاشرہ کو ایک رِستا ہوا ناسُور بنا کر رکھ دیا ہے۔

صحیفۂ فطرت نے سب سے پہلے بنی نوع انسان کو پیغام دیا:۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (اعراف)

کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور پھر اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ انسان اُس طرح تسکین

حاصل کر سکے۔

اور دوسری جگہ فرمایا۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً

کہ یہ اُس اِلٰہ العالمین کے معجزات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے ایسے جذبات اور میلانات رکھنے والے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سرمایۂ سکینت حاصل کر سکو اور ایسا کر کے اُس حکیم خدا نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت کا آغاز کیا۔

پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کتنے لطیف رنگ میں حقیقت کو واشگاف کیا ہے، فرمایا۔ عورت کو میں نے تمہاری لونڈی بنا کر نہیں بھیجا، وہ تمہارے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنا کر نہیں بھیجی گئی بلکہ وہ تو تمہارے لئے سرمایۂ تسکین ہے۔ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ عورت دو خاندانوں کے درمیان محبت کے جذبات پیدا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔

ان دونوں آیات میں عورت کو "سکینت گاہ" قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عورت کا ایک مقام قرآن پاک نے یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہارے لئے تسکین کا باعث ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہماری آپس کی زندگی اِس ڈھب پر ہونی چاہیئے کہ ہماری بیوی ہمارے لئے سرمایۂ سکینت ہو۔ انسانی سماج کا نصف بہتر عورت ہے۔ انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے مرد و عورت ہیں۔ یہ آیت بھی بتاتی ہے کہ ان دونوں پہیوں کے درمیان کامل درجہ کی یکجہتی ہونی چاہیئے۔

آج پارلیمنٹوں کے ایوانوں میں عورت کے حقوق کے مسودے پیش کئے جاتے ہیں کہ عورت کے کیا حقوق ہیں لیکن اُس وقت جبکہ دُنیا میں ابھی قبائلی سسٹم تھا، جب یہ تہذیب کے علمبردار پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اِس مظلوم طبقہ کے حقوق قرآن پاک نے یوں بیان فرمائے:۔

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

کہ جیسے تمہارے حقوق ہیں ویسے ہی اُن کے بھی تم پر حقوق ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ۔

کہ تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ تمہارے وجود سے ان کی زینت قائم ہے اور ان کا وجود تمہارے معاشرہ کے لئے گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے، وہ تمہارے معاشرہ کی زیبائش ہیں۔ اِس آیت کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ تم باہم مل کر سوسائٹی کے عیوب کو ڈھانپنے والے ہوگے، کیونکہ لباس پردہ ڈھانکنے کے علاوہ زینت کا موجب بھی ہوتا ہے۔ پس اسلام مرد و عورت کے باہمی اشتراک سے ایسی سوسائٹی کی تخلیق کرنا چاہتا ہے جو باہمی تعاون پر مبنی ہو۔ ایک دوسرے کے لئے زینت کا کام دے اور جس طرح لباس موسمی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح زمانہ کے سرد و گرم سے تمہارا اشتراک تمہیں محفوظ رکھے۔

موسوی مذہب اور عیسوی مذہب میں عورت کی حیثیت روحانی طور پر کمتر تھی لیکن قرآن پاک کے نازل کرنے والے نے فرمایا:۔

اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (آل عمران ع۲۰)

کہ اے بنی نوعِ انسان! تم میں سے جو بھی میری راہ کا

متلاشی ہوگا۔ میں اس کی کوششوں کو رائگاں نہیں جانے دوں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ میری جناب میں کسی کی تانیث روک نہیں ہے۔ مرد ہو یا عورت ہر دو کا عمل میری بارگاہ میں یکساں قبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک نے انسانی سوسائٹی میں مرد پر عورت کی نسبت کچھ زائد ذمہ داریاں ڈالی ہیں اور اس کی وجہ مرد کے فطری قویٰ ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت و مرد کے فطری قویٰ میں فرق رکھا ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

کہ مرد عورتوں کے قوام ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر عطا فرمائی ہے اور بوجہ اس کے کہ نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہایت عمدہ طریق پر تقسیم کار کر دی ہے کہ نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ اس کے علاوہ اپنے قویٰ کی مضبوطی کی وجہ سے دنیا کے مصائب کے سامنے اس نے سینہ سپر ہونا ہے۔ مقاومت کی قوت اس میں ہے اسلئے حوادثات کے تھپیڑے اس نے سہنے ہیں۔ عورت اس کی مددگار ہوگی ان معنوں میں کہ داخلی امن (گھریلو زندگی) اور سکینت کو وہ برقرار رکھے گی۔ اسلام کا یہ طریق فطرت کے عین مطابق اور تمدن کی اساس ہے۔

اس تعلیم کے مقابل پر اشتراکیت جو کہ انسانی دماغ کی انتہا پسندی کا دوسرا نام ہے اس نے اپنے دستور میں عورت کو مرد کے ساتھ غیر فطری طور پر مساویانہ حیثیت دینے کا اعلان کیا چنانچہ اسکے دستور کی دفعہ ۱۲۲ میں یہ درج ہے:۔

"سوویٹ یونین کی عورتوں کو اقتصادی ریاستی، تہذیبی، سماجی اور سیاسی غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔"

لیکن عملی میدان میں آکر جب اس تجربہ کے نتائج نکلے انکی ایک ہلکی سی جھلک یہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۴ء کے اعداد و شمار کے لحاظ سے صرف ماسکو میں ۵۷,۰۰۰ ولادتوں کے مقابلہ میں ۱,۵۴,۰۰۰ بچے ضائع کر دیئے گئے اور دیہات میں ۲,۴,۹۷۹ کے مقابلہ میں ۳,۲۴,۱۹۴ بچے پختگی سے پہلے ضائع کر دیئے گئے۔ چنانچہ اپنے تجربہ کے ان بھیانک لوازم سے گھبرا کر روس نے اس اخلاقی انحطاط کو روکنے کے لئے بعض اخلاقی ضابطے نافذ کئے۔ اور پھر جب بیرونی دنیا کی طرف سے یہ اعتراض کیا جانے لگا کہ روس پھر رجعت پسندی کی طرف لوٹنے لگا ہے تو ایک اشتراکی لیڈر اس کا جواب یہ دیتا ہے:۔

"کوئی شک نہیں کہ نیم سماجی اور جنسی آزادی کی بے جا اور انتہا پسندانہ استعمال کے روک تھام کا خیال پیدا ہو گیا ہے لیکن اس رجحان سے یہ خیال کر لینا کہ روس پھر پرانے اخلاقی ضابطوں کی طرف لوٹ رہا ہے ایسا ہی غلط ہوگا جیسے یہ سمجھنا کہ سوویٹ یونین پھر سرمایہ دارانہ نظام کو اختیار کرنے لگا ہے۔"

(Soviet Side Light. P187)

اسلام نے عورت کا ایک دائرہ عمل مقرر کیا ہے اور جس سوسائٹی یا ملک نے اس دائرہ کی حدود کو توڑا ہے تجربہ نے بتا دیا کہ اس نے اپنی سوسائٹی کو خود ہی تباہ کیا۔ اور اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ ان کی سوسائٹی اور ان کے

لیڈروں کے بیانات سے ظاہر ہے۔ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں امریکہ کا نام سرفہرست ہے وہاں بھی عورت کو جو آزادی دی گئی (اور یہ اس سلوک کا ردِ عمل ہے جو عورت سے ان ممالک میں ازمنۂ وسطیٰ میں ہوا) اس کا نتیجہ وہاں کی اہلی زندگی کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مشہور امریکی اہلِ قلم Fulton. J. Sheen اپنی کتاب

"Communism and the Conscience of the West."

میں لکھتا ہے:۔

"امریکہ اپنی گھریلو زندگی میں جس راہ پر جارہا ہے اس کو اس نے اگر ترک نہ کیا تو مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے الگ سراسر دنیوی نقطۂ نظر سے بھی وہ نہایت ہولناک نتائج سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

پس اسلام کے مقابل ان تمام ترقی یافتہ ممالک پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از ہزار رسوائی

قرآن پاک نے مسلمان عورت کو کہا:۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب آیت ۳۳)

کہ اے عورتو! تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور دیکھو جاہلیت کے زمانہ میں جس طرح عورت زیب و زینت کا اظہار کرکے بے ہنگم باہر نکلتی تھی تم ایسا نہ کرو۔ تم اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرو اور خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں عورت کے دائرۂ عمل کا تعین قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ عورتوں کا اصل دائرۂ عمل گھر ہے۔ تم چراغ خانہ بنو، شمع محفل نہ بنو۔ تم سڑکوں اور ہوٹلوں کی زینت نہ بنو۔ تمہاری زیب و زینت کا میدان تمہارا گھر ہے۔

یہ نہیں کہ عورت کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی، اُسے ضرورت کے وقت محرم کے ساتھ دور دراز علاقوں کے سفر کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اُسے گھر کی چار دیواری میں مقید نہیں کیا۔ ہاں یہ ضرور کہا ہے کہ تمہارا اصل دائرۂ عمل خاوند کا گھر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

المرأة راعية على بيت بعلها و ولده وهي مسئولة عنهم۔

کہ عورت خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اِس فرض کو کیسے ادا کیا۔

آیت میں قَوَّامُوْنَ کے لفظ پر اعتراض کرنیوالے دیکھ لیں کہ یہاں رَاعِيَةٌ کا لفظ ہے جس کے معنے نگران کے ہیں اور قیّم کے معنے بھی نگران کے ہی ہیں۔ پس یہ تو ایک کیبنٹ کے ممبر ہیں۔ ایک اگر وزیر خارجہ ہے تو دوسری وزیر داخلہ۔

پس عورت کو باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ لیکن اُسے آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں۔ اور جب مسلمان مستورات باہر نکلیں تو مومن مردوں کی نگاہیں انکی طرف نہ اُٹھیں اور ایسے ہی ان مسلمان عورتوں کی نگاہیں بھی اُوپر نہ اُٹھیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (نور)

یعنی۔ "اے ہمارے نبی! مومنوں کو کہدے کہ اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کیلئے پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ اور مومن عورتوں کو بھی کہدے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔"

چنانچہ اس آیت کی عملی تفسیر حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے:۔

عن حمزة بن ابی اسید الانصاری عن ابیه انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول وهو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم للنساء استأخرن فانه لیس لكن ان تحققن الطریق علیكن بحافات الطریق فكانت المرأة تلصق بالجدار حتی ان ثوبها لیتعلق بالجدار من لصوقها به"

(ابوداؤد باب ما جاء فی النساء فی الطریق)

کہ ایک دن عورتیں بھی مسجد سے نکل رہی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مردوں سے ان کی مٹھ بھیڑ ہو گئی ہے۔ کیونکہ مسجد سے جانے کا ایک ہی راستہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو عورتوں کو فرمایا۔ ٹھہر جاؤ! تم راستہ کے ایک طرف ہو کر چلو۔ صحابی کہتے ہیں اسکے بعد عورتیں دیوار کے ساتھ لگ کر چلتی تھیں حتیٰ کہ ان کے کپڑے دیوار سے چھوتے تھے۔

پس قرآن مجید کا پردہ کا حکم عورتوں کو ترقی سے روکنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی عزت و اکرام اور عفت و ناموس کی حفاظت کے لئے ہے۔ مسلمان خواتین نے پردہ کے باوجود دینی اور قومی اور ملکی ترقی میں ہمیشہ حصہ لیا ہے اور آج بھی پردہ کسی علمی اور دینی اور ملکی خدمت میں روک نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام نے عورت و مرد میں مذہبی، تمدنی اور روحانی ہر لحاظ سے مساوات قائم کی ہے اور قرآن مجید نے عورت کو ایک بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اسے حقوقِ ملکیت دیئے ہیں اور ورثہ میں حصہ دار قرار دیا ہے۔ صرف نظام کے قیام کے لحاظ سے مرد و عورت کے الگ الگ دائرے ہیں۔ اور یہ بات درجہ کے انحطاط یا مقام کی فروتری کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرت کی فطری تقسیم کی وجہ سے ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

دار الهجرة ربوة

بقلم الاستاذ الجليل المولوی غلام الرسول القدسی المحترم

لك الحمد يا مسجود روحی وفطرتی ... فدًی لك ما عندی احبّ ومهجتی
ولستُ بشيءٍ غير ما قد خلقتنی ... فشكراً بحمدك كنت ربّی لمنّة
وانّ صروف الدهر من بعد برهةٍ ... لتمحو لقوشاً غير نقش محبّة
فيا ربّنا ندعوك دعوة نصرةٍ ... عونك يكفی الخلق كلّاً برحمة
فنحمد مجدك بالثناء تشكّراً ... وانت المُعِدّ لما نريد بعُدّة
ولمّا خرجنا بعد جبرٍ لهجْرةٍ ... فآويتنا فضلاً الی ارض ربوة
نزلنا بوادٍ غيرِ ذی زرعٍ لنا ... فاَسْكَنْتَنَا فيه بنوع سكينة
وليس لِمَن فی ظلمة الجهل مانوی ... وجدناك من نورٍ بعلمٍ وقُدرةٍ
ولم يك شيءٌ عندنا من بضاعةٍ ... فهيّأتَ اسباباً لتعمير ربوة
وقد كان ماء الارض غوراً بقعرها ... فصرنا لحيرانٍ بتشويشِ غُربة
فبعد هٰذا الاطّلاع امامنا ... لقام الی باب الالٰه لِدعوة
ففارت عُيون الارضِ بعد دُعاءِهٖ ... ومن تحتِ اقدامٍ لفارت بسُرعة
فلمّا وجدنا الماءَ ذوقاً اُجاجه ... لصار فراتاً فی ذواق عذوبة
فاَعْجَبَ اِعجازُ الامامِ كخارقٍ ... اُناساً رأوْ تبديلَ حالٍ بدعوة
فلا شكّ انّ امامنا فی زمانه ... لفردٌ ببركاتٍ وآياتٍ رحمة
فلله حمدٌ بعدَ حمدٍ بشُكرهٖ ... لأَيّدَ دين الحقّ منه بنصرةٍ
وارسل فی وقتِ الدواعی رسوله ... وموعود اقوام لاتمام حجّة
فانذر اقواماً لضلّوا عن الهدیٰ ... لِيُصْلِحَ دُنياهم بدينٍ وملّة

تجلت له آیات وقت ظهوره
ویعد شهادات الصدوق لصدقت
ومن آیِ سیدنا المسیح المحمدی
ومُصلح اقوام بطلعة احمدًا
لتبلیغ دین الله سید حزبه
وارسل فی الاطراف خدام دیننا
یُبارك اقوامٌ ببرکات سعیه
فیاربِّ بارك ثم بارك نزوله
وفی ربوةٍ آیاتُ برکتهٖ بدت
وندعوا المهیمنَ للحفاظةِ دائمًا
ویجعل ربوتنا کبلدٍ آمنًا
ویسکن من فیها زکیًا مُطهرًا
ویجعل مرجع عالمٍ بدوامه
وانهار کل العلم للدین بالتقیٰ
ویُوجدُ فیها الکاملون نموذجًا
ویحفظها الرحمان من کل آفةٍ
ویبعدُ عنها کل ظلم وظالم
وشر النوازل والنوائب کُلّها
فیاربنا اجعل ربوةً بکرامةٍ
ومن نورها الدُنیا لصارت منیرة

ترآءت علامات له عند بعثة
قلوبُ کرامِ الناسِ من کلِ اُمّة
لآیتهٖ الکُبریٰ امام الخلیقة
ونائبهٗ فی الخلق من کلِ برکة
بتنظیمه الانصارُ قاموا لخدمة
لتبلیغ اقوامٍ واتمامِ حُجّة
فللدین والدنیا اریٰ کل برکة
بانصارِ دین الله فی دارِ هجرة
تدُومُ الیٰ مادام مسکن ربوة
لیحفظها من شرِ کُلِّ بلیّة
وینزل فیها کُلّ نور وبرکة
ومَن هو من اهلِ التقاة وخشیة
لتعلیم دین الله حقًا وحکمة
لتجری وتُروی کُلَّ قومٍ واُمّة
لدرس التقیٰ والمتقونَ بخشیة
ومن حادثات الدهر فجئت بشِدّة
کذٰلكَ کُلٌ مِنْ فسادٍ وفتنة
کذٰلك مِن سُوءِ القضا والمصیبة
کدارِ الامان ودارِ امنٍ وبرکة
بفیض المسیح نبینا والخلیفة

وانی انا القدسیُّ راجٍ برحمةٍ
لیقبل ربی مارجوت بدعوتی

تلاوتِ قرآن کریم کے آداب

{ از مکرم مولوی محمود احمد صاحب مختار
متعلم جامعۃ المبشرین

ہر کام کے لئے کچھ نہ کچھ آداب ہوتے ہیں مثلاً کھانے کے آداب یا پینے کے آداب یا مجلس کے آداب۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن مجید کے بھی کچھ آداب ہیں جن کا ملحوظ رکھنا تلاوت کرنیوالے کیلئے ضروری ہے' وہ آداب درج ذیل ہیں

۱۔ قرآن مجید کو بار بار اور کثرت سے تلاوت کیا جائے یہ اس لئے کہ ایک بات کے بار بار پڑھنے اور سننے سے وہ ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

بعض لوگوں کو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو کتنے دنوں میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھ سوچکر پڑھا جائے خواہ ایک دن میں ختم ہو جائے یا سال بھر میں۔

۲۔ تلاوتِ قرآن پاک سے قبل وضو کر لینا مناسب ہے کیونکہ یہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ ہر ذکر کے لئے باوضو ہوتے تھے بخود قرآن مجید میں آتا ہے کہ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کہ اسے صرف پاک لوگ ہی چھوتیں۔ روحانی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری وضو ہونے سے نور علیٰ نور ہو جائے گا۔

۳۔ تلاوت قرآن پاک کے لئے صاف ستھری جگہ کا انتخاب کیا جائے۔

۴۔ تلاوت کرتے وقت قبلہ رُخ ہو کر بیٹھنا چاہیئے اس سے مقصود یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر بیٹھنے میں اسکی توجہ زیادہ سے زیادہ قائم رہ سکے گی اور وہ پوری دلجوئی اور اطمینان سے تلاوت کر سکیگا۔

۵۔ تلاوت قرآن مجید سے قبل "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" ضرور پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ خود قرآن کریم میں آتا ہے۔ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

۶۔ تلاوتِ قرآن مجید سے قبل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر وہ بڑا کام جو بسم اللہ سے شروع نہیں کیا جاتا وہ ابتر ہے"

۷۔ تلاوت ترتیل سے کی جائے یعنی اچھی لَے' خوش الحانی اور الفاظ کو الگ الگ اور صحیح کر کے تلاوتِ قرآن کیجائے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ ابو حذیفہؓ کے غلام کے پاس سے گذرے اور وہ بڑی خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا تو آپؐ نے خوشنودی کا اظہار کیا۔

۸۔ تلاوت فہم اور تدبّر سے کرنی چاہیئے اور حقِ تلاوت ادا کرنا چاہیئے۔ حقِ تلاوت سے مراد یہ ہے کہ اگر آیتِ رحمت سے گذرے تو خداوند کریم سے رحمت کا طلبگار رہو۔ اگر آیت عذاب سے گذرے تو عذاب سے محفوظ رہنے کی دُعا کرے اور اگر آیت تسبیح سے گذرے تو تسبیح کرے۔

۹۔ تلاوت کرتے وقت اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ تلاوت ایک ذکر ہے اور ذکر کے وقت اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے ورنہ وہ ذکر ذکر نہیں رہتا۔

۱۰۔ تلاوت کرتے وقت اگر سجدہ والی آیت آجائے تو سجدہ کرنا چاہیئے اور سجدہ چودہ مقامات پر ہے۔

۱۱۔ تلاوت کیلئے ایک وقت' ایک حصہ مقرر کر لینا زیادہ بہتر ہے اور افضل وقت دو ہیں۔ آخر شب اور صبح سویرے۔

یہ وہ موٹے موٹے آداب ہیں جو تلاوتِ قرآن مجید کرتے وقت انسان کو ملحوظ رکھنے چاہئیں اور جنکے لحاظ اور رعایت سے قرآن مجید کے تدبّر اور فہم میں بہت مدد ملسکتی ہے اور اسکو پڑھنے اور سمجھنے اور اسپر عمل کرنیوالا ان علوم دین سے واقف و آشنا ہو جاتا ہے جو نہ پڑھنے والے لوگوں پر پوشیدہ اور مخفی ہوتے ہیں +

شانِ قرآن کریم

(از کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہست فرقاں آفتابِ علم و دیں | تا بَرَدت از گماں سوئے یقیں

قرآن مجید علم اور دین کا سورج ہے ۔ تاکہ تجھے شک سے یقین کی طرف لے جائے

ہست فرقاں از خدا حبل المتیں | تا کشندت سوئے ربّ العالمیں

قرآن خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسی ہے۔ تاکہ تجھے ربّ العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائے

ہست فرقاں روزِ روشن از خدا | تا دہندت روشنی دیدہ ہا

قرآن خدا کی طرف سے ایک روشن دن ہے ۔ تاکہ تجھے آنکھوں کی روشنی دے

حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال | تا رسی در حضرتِ قدس و جلال

خدا نے اس بے نظیر کلام کو اسلئے بھیجا ہے تاکہ تو اس پاک اور ذوالجلال کی درگاہ میں پہنچ جائے

دارُوئے شکّ است الہامِ خدا | کاں نماید قدرتِ تامِ خدا

خدا تعالیٰ کا الہام شک کی دوا ہے ۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی کامل قدرت کو ظاہر کرتا ہے

ہر کہ رُوئے خود ز فرقاں درکشید | جانِ او رُوئے یقیں ہرگز ندید

جس نے قرآن سے رُوگردانی اختیار کی ۔ اُس نے یقین کا مُنہ ہرگز نہیں دیکھا

جانِ خود را مے کنی در خود روی | باز ہم مانی ہماں کول و غوی!

خود روی کی وجہ سے تو اپنی جان ہلاک کرتا ہے مگر پھر بھی تو ویسا ہی احمق اور گمراہ رہتا ہے

کاش جانت میلِ عرفاں داشتے | کاش سعیت تخمِ حق را کاشتے

کاش تیرا دل معرفت حاصل کرنے کی رغبت رکھتا ۔ کاش تیری کوشش سچائی کا بیج بوتی

خود نگہ کن از سرِ انصاف و دیں | از گماں ہا کے شود کارِ یقیں

تو آپ انصاف عدل سے غور کر کہ گمان کس طرح یقین کا کام دے سکتا ہے

ہر کہ را سوئیش دلے بکشودہ است | از یقیں نے از گماں ہا بودہ است

جس کا دروازہ خدا کی طرف کھل گیا وہ یقین کی وجہ سے کھلا ہے نہ کہ گمان کی وجہ سے

قدرِ فرقاں نزدت اے غدار نیست | ایں ندانی کت جز از وے یار نیست

اے بے وفا تیرے نزدیک فرقان کی کوئی قدر نہیں ۔ تو یہ بات نہیں جانتا کہ اسکے سوا تیرا کوئی دوست نہیں

وحیِ فرقاں مردگاں را جاں دہد | صد خبر از کوچۂ عرفاں دہد

قرآن کی وحی مُردوں میں جان ڈالتی ہے اور معرفت کے کوچہ کی سینکڑوں باتیں بتاتی ہے

از یقیں ہا مے نماید عالمے! | کاں نہ بیند کس بصد عالم ہمے!

اور یقینی علوم کا ایک ایسا جہان دکھاتی ہے جو کوئی سو جہانوں میں بھی نہیں دیکھ سکتا

(۱۵۱ [illegible])

تبصرہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی)

یہ رسالہ جماعت احمدیہ پاکستان کی طرف سے جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی ایم اے کی زیر ادارت انگریزی زبان میں شایع ہونیوالا واحد ماہنامہ ہے۔ اس رسالہ میں اسلام کی فضیلتوں پر ٹھوس اور علمی مضامین شایع ہوتے ہیں۔ مغربی علماء کے اُن اعتراضات کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں جو وہ اسلام اور قرآن مجید پر کرتے ہیں۔ تردید عیسائیت میں اس رسالہ کے تحقیقی مقالات نے اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔ یورپ و امریکہ میں اس رسالہ کا بکثرت شایع ہونا اشد ضروری ہے تا دشمنان اسلام کی پیدا کردہ مسموم فضاء کا ازالہ ہو سکے اور اسلام کی حقانیت دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ اس رسالہ کے کم از کم دس ہزار خریدار تو ہونے چاہئیں۔ اسوقت دنیا میں کفر و الحاد کی اشاعت کرنیوالے رسائل کا ایک طوفان برپا ہے۔ بے دینی کی گھٹائیں چھا رہی ہیں جماعت احمدیہ کے مرکز سے اسلام کی یہ مشعل نمودار ہوئی ہے اسے زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچانیکی کوشش کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ چاہیئے کہ آپ خود بھی اس علمی و دینی رسالہ کے خریدار بنیں اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اسکی اشاعت کی کوشش فرمائیں۔ نیز مغربی ممالک کی پیاسی روحوں میں سے بھی کم از کم ایک کے نام اپنی طرف سے یہ رسالہ جاری کروا کر ثواب حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کا یہ ایک بہترین مصرف ہے۔

رسالہ کا سالانہ چندہ پاکستان کیلئے دس روپے ہے!

پتہ:- مینیجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) ۔ ربوہ (پاکستان)